احمدی مستورات کی تعلیم و تربیت کیلئے

ماہنامہ مِصْبَاح ربوہ

جلد ۶۷/۴۳	فتح ۱۳۷۲ ہش / دسمبر ۱۹۹۳ء	شمارہ نمبر ۱۱

محترمہ بشریٰ داؤد صاحبہ نمبر

ایڈیٹر

محمد اعظم اکسیر

پبلشر : شیخ خورشید احمد ـــــــ پرنٹر : قاضی منیر احمد

مطبع : ضیاء الاسلام پریس ربوہ ـــــ مقامِ اشاعت : دفتر ماہنامہ مصباح ربوہ ضلع جھنگ

سالانہ چندہ پاکستان ۴۰ روپے۔ قیمت فی پرچہ ھذا آٹھ روپے

شمارہ ۱۱	ماہنامہ مصباح ربوہ	جلد ۶۷/۴۳

فتح ۱۳۷۲ہش / دسمبر ۱۹۹۳ء

قبولیتِ عامّہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل سے کہتا ہے کہ اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے، تو بھی اس سے محبت کر۔ اس پہ جبرائیل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر جبرائیل ساکنانِ فلک میں اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے۔ پس آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اہلِ زمین میں بھی اسے قبولیتِ عامہ کا شرف بخشتا ہے۔ اور ہر ایک اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔" (بخاری کتاب الادب باب المقة من اللہ)۔

کچھ عرصہ پہلے ہم سے بچھڑ جانے والی حُور جہاں بشریٰ داؤد بھی ان ہی میں سے ایک تھی جن سے ہر کوئی محبت کرتا ہے وہ اپنی زندگی میں شاید ان ہی حلقوں میں جانی پہچانی جاتی ہو جہاں وہ جماعتی فرائض سرانجام دیتی تھی یا ان جگہوں میں جہاں اس نے تقاریر وغیرہ کی ہوں گی۔ لیکن اس کی وفات پر تو ساری دنیا کے احمدی احباب و خواتین نے اس کی وفات کو ایسے محسوس کیا جیسے ان کا اپنا کوئی عزیز ترین وجود ان سے بچھڑ گیا ہو اور یہ ایک مرنے والے کے لئے بہت عظیم خراجِ تحسین ہے اور یقیناً بشریٰ اپنے اوصاف کی وجہ سے اس اعزاز کی مستحق تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے قبولیتِ عامّہ کا شرف بخشا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل۔ اور ان کا ہر آن حافظ و ناصر ہو۔

موت تو بہر صورت ہر ایک کے لئے مقدر ہے لیکن بعض پیارے وجود اپنے پیچھے بڑی پیاری یادیں چھوڑ جاتے ہیں اور بشریٰ ان ہی میں سے ایک تھی جسے بے وفا زندگی نے ہم سب سے جدا کر دیا۔ ؎

پیار کتنا بھی ٹوٹ کر کیجئے ——— چھوڑ جاتی ہے راستہ میں کہیں
زندگی نے وفا نہیں سیکھی

حضرت امام جماعت احمدیہ الرّابع
کا
نُورجہاں بشریٰ داؤد کو خراجِ تحسین

لنڈن
۹۳-۸-۲۹ عزیزہ مکرمہ امۃ الباری ناصر ....

عزیزہ حوری رحمہا اللہ تعالیٰ کے وصال پر آپ کا سسکتا بلکتا ہوا اظہارِ درد موصول ہوا جو اس مضمون پر حرفِ آخر ہے۔ اس اظہارِ درد میں کہے ہوئے غموں کے پیچھے اَن کہے غم بھی قطار در قطار کھڑے دکھائی دے رہے ہیں۔ اس میں وہ خوابیں بھی ہیں جو نقطۂ تعبیر تک پہنچنے سے پہلے ہی ٹوٹ کر بکھر گئیں۔ اور کچھ تعبیر کی حسرتیں بھی ہیں جیسے کھیل ختم ہونے سے پہلے بسا طا ٹھادی جائے تو کیفیّتیں بے کیفیوں اور بے چینی جھنجھناہٹوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کچھ ویسا ہی منظر حروف کی چلمن سے دکھائی دے رہا ہے۔

آپ نے تصوّر کی پریاں روشنائی کے شیشے میں اتار دی ہیں۔ کاش حوری بھی آپ کا یہ خط پڑھ سکتی۔ ہر فقرے کے جھونکے سے اس کی رُوح اہتزاز کرتی۔ پتہ ہے مَیں نے کیا دُعا کی ہے؟ اگر روحوں کو دلوں میں جھانکنے کی توفیق مل سکتی ہے تو اللہ اس کی رُوح کو یہ توفیق بخشے کہ اپنے سب پیاروں کے دلوں میں جھانکا کرے۔

دلِ ناصبور کی رگ رگ پھڑکتی ہوئی آپ کی وہ چیخیں جو دل کے پردے پھاڑ کر باہر نہ آسکیں کیسے یہ اعجاز دکھا گئیں کہ لگتا ہے جیسے فضاؤں کے سینے چیر دیئے ہوں۔ صبر و رضا کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی بے بس اور بے اختیار یہ چیخیں جو ساؤنڈ والے کمرے میں بھی سُنائی نہ دیں سات سمندر پار سنائی دینے لگیں۔ حبسِ دوام پر پیچ و تاب کھاتی ہوئی بپھرتی، تڑپتی، سر پٹکتی دل کی آگ سے کیسے آپ نے اپنے عزمِ تسلیم و رضا کو بچا لیا کہ آنچ تک نہ آنے دی۔ کیسے کی آنکھوں کے سامنے ہر شعلۂ فغاں سسکیوں میں ڈھل ڈھل کر خونِ دل میں سنسناتا بجھتا رہا۔

پاک لِلّٰہی لِلّٰہی محبّت ہو تو ایسی ہو۔ لیکن ایک آپ ہی تو نہیں جو حورِ شمائل حوری کی

دفعتاً دلشکن جدائی سے ایسا تڑپی ہیں۔ شہر کراچی میں آپ جیسی ہزاروں ہوں گی لیکن نہ انہیں شعر کہنے کا ملکہ نصیب نہ نثر میں اظہارِ درد کا سلیقہ۔ وہ تو "فی الخصام" بھی "غیر مبین" ہیں۔ ان کو بھی تو آپ ہی نے زبان دینی ہے۔ ان کی داستانِ غم بھی تو آپ ہی کو رقم کرنی ہے۔ جب دستِ قدرت گزرتے ہوئے وقت کی مرہم لگا کر آپ کے چھلکتے ہوئے صبر کو ذرا قرار بخش دے اور یہ متلاطم پانی ذرا ٹھہر جائے تو حوری کی پاکیزہ یاد کو ایسا دلگداز خراجِ تحسین پیش کریں کہ ہر پڑھنے والے کا دل پگھل پگھل کر آستانۂ الوہیت کی جانب دعائیں بن بن کر بہنے لگے۔

جانے والی کا خیال تو بہت دیر اُن کو ستاتا رہے گا۔ جو اُس کے ساتھ رہیں۔ مجھے تو پیچھے رہنے والوں کا غم لگ گیا ہے۔ داؤد اور اُن معصوم بچوں کا غم جن کی بعض پیاری باتوں کا ذکر میری زبان سے سنتی تھیں تو حوری کا دل کھِلکھلا اُٹھتا تھا۔ مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب کا غم تو ایسا دل میں آن بسا ہے جیسے اپنے گھر میں آبیٹھا ہو۔ ایک ادنیٰ سی بھی اجنبیت نہیں۔

آپ نے ٹھیک ہی یاد دلایا ہے کہ یہ فقیروں کے سے غم میرے محسن ہیں جو دل کو ایک شرف عطا کر جاتے ہیں۔ لیکن بعض غم یہ شرف عطا کر کے چلے نہیں جاتے بلکہ وہیں ایک گوشے میں دھونی رما کر بیٹھ رہتے ہیں۔ اور محض دھیان کی جوگنیں ہی نہیں بلکہ بعض خطوں کی جوگنیں بھی راگنیں بن کر آتی ہیں اور رات بھر احساس کے دُکھتے ہوئے تار چھیڑتی ہیں۔

اللہ سب پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور صبرِ جمیل کا لامتناہی اجر بھی۔

والسلام۔ خاکسار
مرزا طاہر احمد

اسیرانِ راہِ مولیٰ کیلئے درخواستِ دُعا

احباب تمام اسیرانِ راہِ مولیٰ کو اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے آزمائش کی گھڑیاں ٹال دے۔ انہیں صحت و سلامتی سے رکھے اور جلد رہائی کے سامان پیدا فرمائے۔

محترمہ طاہرہ صدیقہ ناصر صاحبہ۔ صدر لجنہ اماء اللہ ربوہ

مکرمہ حُور جہاں بُشریٰ داؤد صاحبہ

بچپن میں ناصرات کے اجتماع پر تقریری مقابلوں میں حصہ لیتے ہوئے کراچی سے آئی ہوئی ایک ناصرہ سے میری دوستی ہو گئی۔ اجتماع کے بعد شام کچھ دیر کے لئے میں اُس کے ساتھ دفتر لجنہ کے لان میں ٹھہر گئی۔ اور وہاں اُس دوست کی باجی سے میری ملاقات دوست کی وساطت سے ہوئی۔ انتہائی محبت کرنے والی، چھوٹی بہن سے بہت شفقت کرنے والی۔ بہت نرمی سے بات کرنے والی ہستی تھی۔ ایسی کہ اُس مختصر سی ملاقات میں بھی ان کی محبت کے چشموں کو میں نے پھوٹ پھوٹ کر بہتے ہوئے محسوس کیا — اور یہی محبت و شفقت میرے دل کو اُس مسکراتے ہوئے چہرے کی طرف کھینچتی چلی گئی۔ مجھے دوست سے بھی زیادہ اُس کی باجی اچھی لگیں۔ اتنی کہ پھر ہمیشہ اُن کے ساتھ ہونے والی یہ ملاقات میرے ذہن میں تازہ رہتی۔ دوست کی وہ باجی "حور جہاں بشریٰ" تھیں۔

بہت سال گذر گئے۔ میرے دل میں بچپن کی یہ نرم یاد ہمیشہ محفوظ رہی۔

پھر ایک لمبے عرصہ کے بعد بشریٰ داؤد سے ملاقاتوں کا دوسرا سلسلہ میری شادی کے بعد شروع ہوا اور یہ باتیں اکثر لجنہ کے حوالہ سے ہوتی رہیں۔ مجھے یاد ہے ء کے جلسے کی ایک رات۔ بشریٰ داؤد اور نگار مجھ سے ملنے رات کے وقت آئیں۔ وہ ایسے وقت میں آنا چاہتی تھیں جب وہ آرام سے تفصیلی گفتگو کر سکیں۔ ان کے ذہنوں میں ایک ہلچل تھی — ایک بے قراری تھی۔ ایک تمنا تھی کہ کس طرح وہ لجنہ کے کاموں کو بہتر طور پر کر سکیں اور نئی نسل کو دین کے کاموں میں صحیح خطوط پر چلا سکیں۔ اپنے پروگراموں اور کوششوں کا انہوں نے ذکر کیا — اور مجھ سے مشورہ چاہتی تھیں۔ میں نے اپنی بساط کے مطابق اُن سے گفتگو کی لیکن حقیقت یہ تھی کہ اُن دنوں ابھی تک میں ذہنی طور پر اپنے صدمے پر قابو نہ پا سکی تھی اور حقیقی معنوں میں پوری ذہنی قوت کے ساتھ سوچ نہ سکتی تھی۔ بس ملنے والوں سے بڑی مشکل کے ساتھ ایک ظاہری نباہ کرتی تھی۔ چنانچہ ان کے چلے جانے کے بعد دل پر ایک بوجھ سا رہا کہ نجانے وہ کتنی امیدوں کے ساتھ آئی ہوں گی اور میں انہیں کچھ بھی نہیں دے سکتی تھی —

اور پھر جب بھی وہ ربوہ آتیں ملنے کے لئے آتیں۔ ہر وقت ہنستا مسکراتا، بشاش چہرہ۔ لجنہ کے کاموں کے لئے ہر وقت مستعد اور پُرجوش جذبۂ خدمت ان کی رگ رگ سے پھوٹ رہا ہوتا۔

ان ملاقاتوں کے علاوہ بشریٰ سے میری ملاقاتیں ایک اور جگہ بھی ہوتی رہیں۔ جس کی یاد ہمیشہ مجھے اُن

کے لئے گہرے تشکر کے جذبات کے ساتھ ممنونِ احسان رکھتی ہے۔ ملک سے باہر آتے جاتے کراچی ائیر پورٹ سے اکثر میرا گذر ہوتا۔ میرا جہاز آدھی دوپہر کو آتا ہوتا یا آدھی رات کو۔ بشریٰ اپنی کسی نہ کسی اور ساتھی کے ساتھ ضرور وہاں موجود ہوتیں۔ ہمیشہ خوشدلی کے ساتھ مسکراتے ہوئے۔ ایک آدھ دفعہ کسی مجبوری کے باعث (شاید شہر سے باہر تھیں) نہ آسکیں تو اس کے لئے بہت اظہارِ افسوس کیا۔ ایک مرتبہ مجھے یاد ہے میرا جہاز آدھی رات کو پہنچنا تھا۔ بشریٰ کے ساتھ ان کی چھوٹی سی بیٹی عزیزہ طوبیٰ بھی موجود تھی۔ کہنے لگیں کہ بہت ضد کر کے آئی ہے کہ میں نے ملنے جانا ہے۔ رات کا وقت نیند سے بُرا حال لیکن صرف ملنے کے شوق میں وہاں موجود تھی۔ مجھے اُس پر بہت پیار آیا۔ اس کا نام بھی مجھے پیارا تھا کیونکہ ایک اور طوبیٰ بھی مجھے بہت پیاری ہے۔ نام سے یاد آیا ان کے بڑے دونوں بچوں عزیزم ناصر اور عزیزم طاہر کے نام بھی مجھے ہمیشہ محبت کے ساتھ یاد رہتے۔ اگرچہ ناموں کے معاملہ میں میری یادداشت بہت اچھی نہیں ہے لیکن بشریٰ ہمیشہ کچھ اس طرح سے ان کے نام لے کر ان کے سلام، پیار کے پیغامات دیتیں کہ وہ مجھے ہمیشہ یاد رہے۔

بشریٰ کی پُرخلوص محبت کی ایک گہری یاد بھی میرے دل کو گدگداتی ہے۔ ایک مرتبہ میں کراچی گئی۔ لجنہ کراچی نے اپنے ایک پروگرام میں بُلایا۔ احمدیہ ہال میں پروگرام تھا۔ وہاں گئی تو بشریٰ نے چھوٹی چھوٹی موتیے کی کلیوں کا ہار مجھے دیا کہ یہ میں خود آپ کے لئے بنا کر لائی ہوں۔ وہ کلیاں اتنی چھوٹی تھیں کہ ان میں کھلنے کی سکت بھی نہ تھی۔ لیکن ان کی یہی بات مجھے یاد رہ گئی۔ آج بھی ان ننھی ننھی کلیوں کا ہار میری آنکھوں کے سامنے ہے کیونکہ میں جانتی تھی کہ اُن بے موسم کی کلیوں کو خدا جانے بشریٰ نے کہاں سے حاصل کر کے اپنے پُرخلوص جذباتِ محبت کی عکاسی کے لئے پرویا ہو گا۔

بشریٰ قادیان میں ملیں تو اسی اپنے مخصوص پُرخلوص انداز میں ایک تحفہ مجھے دیا۔ میں بہت حیران ہوئی۔ اور شرمندہ بھی۔ یہاں بھی یہ میرے لئے تحفہ اُٹھا لائی ہیں۔ لیکن ان کے شدید جذباتِ محبت کے سامنے میں انہیں کچھ نہ کہہ سکی۔ اور خاموش رہی۔

بشریٰ کا بے لوث، بے ریاء اور بے پناہ خدمتِ دین کا جذبہ اور محض للّٰہی جذباتِ محبت کی یاد ہمیشہ دل کو گداز کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔ اور یہ یاد ان کے لئے اور اُن کے بچّوں کے لئے دُعا میں ڈھل جاتی ہے۔

لجنات کیلئے لائحہ عمل

پیارے امام ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد پر عمل پیرا ہو کر اپنے بچّوں میں پانچ بنیادی اخلاق پیدا کریں۔

۱۔ ہمیشہ ہر معاملہ میں سچائی کو اختیار کرنا۔
۲۔ ہمیشہ نرم لہجہ اور پاک زبان استعمال کرنا۔
۳۔ ہمیشہ وسعتِ حوصلہ سے کام لینے اور ہر نقصان سے بچنے کی کوشش کرنا۔
۴۔ دوسروں کی تکلیف کا احساس کر کے ازالہ کی حتی المقدور سعی کرنا۔
۵۔ ہمیشہ مضبوط عزم اور ہمت سے کام لینا۔

منظوم کلام حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی۔

بر وفات حضرت سیّدہ سارہ بیگم صاحبہ

کر رحم اے رحیم مرے حالِ زار پر
زخمِ جگر پہ دردِ دلِ بے قرار پر

مجھ پر کہ ہوں عزیزوں کے حلقہ میں مثلِ غیر
اس بے کس و نحیف و غریب الدّیار پر

جس کی حیات اِک ورقِ سوز و ساز تھی
جیتی تھی جو غذائے تمنائے یار پر

مقصود جس کا علم و تقیٰ کا حصول تھا
رکھتی تھی جو نگہ لطفِ یار پر

تھی ماحصل حیات کا اِک سعیٔ ناتمام
کاٹی گئی غریب حوادث کی دھار پر

دل کی امّیدیں دل ہی میں سب دفن ہوگئیں
پائے امّید ثبت رہا انتظار پر

ہاں اے مغیث سُن لے مری التجا کو آج
کر رحم اس وجودِ محبّت شعار پر

اُس مَے گسارِ بادۂ الفت کی رُوح پر
اُس بوستانِ عشق و وفا کی مزار پر

ہاں اُس شہیدِ علم کی تربت پر کر نزول
خوشیوں کا باب کھول غموں کی شکار پر

میری طرف سے اس کو جزا ہائے نیک دے
کر رحم اے رحیم دلِ سوگوار پر

حاضر نہ تھا وفات کے وقت اے مرے خدا
بھاری ہے یہ خیال دلِ ریش و زار پر

کلامِ محمودؑ

سلیمہ میر

شہد کی مکھیاں

عرصہ بارہ سال سے لجنہ اماء اللہ ضلع کراچی کی ٹیم جو ایک دوسرے کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہی ہے۔ حضور نے اسے "شہد کی مکھیوں" کا خطاب عطا فرمایا۔ اور انہیں شفقت سے اپنا محبت بھرا اسلام بھجواتے ہیں اور ناچیزانہ کوششوں پر خوشنودی کا اظہار فرمایا کرتے ہیں اور ایک دفعہ دستِ مبارک سے تحریر فرمایا:-

"ٹیم ورک اور نیک کاموں میں استقلال
اور نظم و ضبط اس لجنہ کی خاص خوبیاں
ہیں اور مجھے بطور خاص پسند ہیں"

اس فعال ٹیم کی تین پیاری پیاری کارکن یکے بعد دیگرے داعیٔ اجل کو لبیک کہتے ہوئے اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئیں۔

جانے والی پاک روحیں حقیقت میں... صالحات اور قانتات کی مکمل تصویر تھیں۔ نظامِ جماعت کی پابندی ان کا شیوہ اور اطاعت و فرمانبرداری ان کا زیور تھا۔ محترمہ امۃ النعیم حمید رانا صاحبہ اور محترمہ مبارکہ ملک صاحبہ کا تعلق شعبہ خدمت خلق سے تھا۔ دونوں نے احسن طور پر اس شعبہ کا حق ادا کیا۔ ہر ضرورت مند کی ضرورت کو بروقت پورا کرنے کی کما حقہٗ کوشش کرتیں۔

اگر کسی وقت فنڈز میں کمی کا احساس ہوتا تو اپنے عزیزوں اور مخیّر حضرات سے عطیات لے کر وقت پر خرچ کرتیں۔ اس طرح فنڈز کی کمی سے ضرورت مندوں کی دادرسی میں کمی نہ آتی۔

عزیزہ بشریٰ داؤد نے میرے ساتھ پہلے لجنہ کمیٹی کے پانچ سال ۱۹۸۱ء تا ۱۹۸۶ء بطور سیکرٹری جنرل کام کیا۔ مسلسل دوڑ میں لگی رہی کہ کس طرح اپنے خدا کو اور حضور کو راضی کر لوں اور حقیقت میں وہ جیت گئی۔ حضرت صاحب نے عزیزہ امۃ الباری ناصر سیکرٹری اشاعت کے نام خط میں بشریٰ داؤد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:-

"پاکباز، فدائی، حسن و احسان کی مرقّع بیٹی"

حضور کے ان الفاظ کے بعد جن کے حسن پر مر مٹنے کو دل چاہتا ہے، کچھ اور لکھنا کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ آج کل بشریٰ داؤد سیکرٹری اصلاح و ارشاد کے طور پر کام کر رہی تھیں۔ کام کیا کر رہی تھیں جگمگا رہی تھیں۔ جب سے حضور ایدہ الودود نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں کی تحریک فرمائی تھی۔ مکمل طور پر اس میں جُت گئی تھی۔ کراچی کے ہر کونے میں سیرت پاکؐ پر تقاریر کرتی تھیں اپنے پرائے سب اس کی تقریر کے مدّاح تھے۔ اس کی تقریر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو

اس طرح احاطہ کرتی کہ خدا تعالیٰ سے ایک زندہ تعلق پیدا ہوتا۔ اُس کی ہر ادا پر تقویٰ کا رنگ غالب نظر آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کا خوف اس کے اندر یکجا تھا۔

وہ ایک سچی اور پکی داعی الی اللہ تھی۔ لجنہ کا ٹارگٹ پورا کرنے میں جان کی بازی ہار دی۔

صد سالہ جشنِ تشکر کے موقع پر لجنہ کراچی نے کُتب شائع کرنے کا جو پروگرام بنایا تھا اس میں بشریٰ داؤد کا ہاتھ نمایاں تھا۔

شعبۂ اشاعت کی سیکرٹری عزیزہ امۃ الباری ناصر (جو اپنے شعبہ کی آبیاری اپنے لہو سے کرتی ہیں) کا دست و بازو اور اس کی بہترین مشیر تھیں۔ سب سے پہلی کتاب "مقدس ورثہ" کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ وہ بشریٰ داؤد کی تحریر کردہ تھی۔ جب تک یہ سلسلہ کتب کا چلتا رہے گا۔ اس کا کام اور اس کا نام زندہ رہے گا اور اس کے لئے صدقہ جاریہ رہے گا۔

۲۳ رجولائی ۱۹۹۳ء کے خطبہ جمعہ میں پیارے حضور نے جس پیار سے اس کا ذکر فرمایا ہے وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے تاریخِ احمدیت میں زندہ جاوید ہوگئی ہے۔ خوش قسمت ہیں اور مبارک باد کے قابل ہیں وہ والدین جنہیں ایسی بیٹی عطا ہوئی جو اپنا اور اپنے والدین کا نام روشن کر گئی۔ اس کا انجام بخیر ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ لجنہ کراچی کو نعم البدل عطا فرمائے۔

اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھیں
اور انہیں نماز باجماعت کا عادی بنائیں۔

محترمہ بشریٰ داؤد صاحبہ کا ایک خط

اپنے بچّوں کے نام

"میرے بے حد پیارے بچّو! ناصر، طاہر اور طوبیٰ۔

اللہ تعالیٰ تم کو ہمیشہ ہمیش اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ اپنے سائے میں پناہ دے۔ اپنی اطاعت و فرمانبرداری سے تم اسکی جناب میں جھکے رہو۔ ہر آن اس کی رضا تم کو حاصل ہو۔ اسی کی خاطر جیؤ اور اسی کی خاطر موت کو گلے لگاؤ۔

کبھی بھی میری جان! اس رب کے در سے جدا نہ ہونا۔ کہ اس کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ انتہائی بدنصیب ہیں۔ جو اس کو نہیں پاتے۔ بدبخت ہیں جو اس کی محبت کو حاصل نہیں کرتے۔

میرے پیارے خدا! تجھ کو تیری عظمت و کبریائی کی قسم تو ان کو کبھی اپنے دامن سے جدا نہ کرنا۔ انہیں توفیق نہ دینا کہ یہ کبھی بھی تجھ سے تیرے احکامات سے تیری اطاعت سے انحراف کر سکیں اور ان کو صرف اور صرف اپنے محبوب کی سچی محبت عطا کرنا۔ تاکہ یہ اس دُنیا میں بھی جنّت حاصل کر سکیں اور تیری رضا کے عطر سے ممسوح ہوں۔ یہ دُنیا کے روشن ستارے ہوں اور بنی نوع انسان کے خادم ......

.... طالبِ دعا
بشریٰ داؤد

آنسہ ثریا

ملکہ مکھی

حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع عہدیداران لجنہ کراچی کو شہد کی مکھیوں کے خوبصورت نام سے یاد فرماتے ہیں جس پر ہم بجا طور پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور خوشی محسوس کرتے ہیں اگر لجنہ کراچی شہد کی مکھیاں ہیں تو بشریٰ داؤد ملکہ مکھی تھی۔

بشریٰ والدین کی پہلی اولاد ہونے کے ناطے گھر میں خوشیوں کی نوید بنی اور خوبصورت عادات کی وجہ سے تمام خاندان کی آنکھ کا تارا بن گئی اور جماعتی خدمت کر کے اللہ کے فضل سے جماعت میں بھی ہر دلعزیز ہوئیں۔

دینی ماحول میں آنکھ کھولنے کی وجہ سے ابتدائی اثرات کے زیرِ اثر جو شخصیت بنی وہ ایسی بھرپور تھی کہ پانچویں جماعت میں ہی ناصرات الاحمدیہ کی سیکرٹری بنی اور اپنے وجود میں ناصرات کے لئے محبت لئے حور جہاں باجی بن گئیں۔ چھوٹی سی حور جہاں ننھی ننھی ناصرات کی قطار کو رام سوامی سے احمدیہ ہال تک ہر ہفتہ لایا کرتی۔ والدہ یا حلقہ کی کوئی بزرگ ساتھ ہوتیں اور حور جہاں کے ایک اشارہ پر تمام بچیاں منظم اور باوقار انداز میں احمدیہ ہال پہنچ جاتیں۔

ہر ہفتہ گھر میں ناصرات کا اجلاس ہوتا مگر ہفتہ کے باقی دن بھی بچیاں آپ کے گھر کسی نہ کسی کام سے آتی رہتیں۔ کبھی خالہ جان قرآن کریم سن رہی ہوتیں تو کبھی بشریٰ باجی نظمیں اور تقریریں یاد کروا رہی ہوتیں۔ قصیدہ اور چہل احادیث یاد کروانے کی ایسی لگن اس کے دل میں تھی کہ ہمارے حلقہ کی تمام بچیاں اس میں آگے آگے ہوتیں۔

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے ناصرات کے ایک اجتماع کے موقع پر فرمایا "شوکت (شوکت گوہر دختر مولوی عبدالمالک خانصاحب) حور جہاں نے بچیوں پر بہت محنت کی ہے۔"

محنت کرنا اس کی فطرت تھی۔ اجلاس میں پڑھانے اور تربیت کرنے کے علاوہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ہنر سکھاتے اور ہاتھ سے چیزیں بنانے کی طرف توجہ دلایا کرتی۔ بہترین کام کرنے والی بچی کو انعام ضرور دینا۔ اور ہمارا انعام نانا جان کی اس کرسی پر بیٹھنا ہوتا تھا جو انگریزی حرف S کی شکل میں تھی جس پر دو کرسیاں مخالف سمت منہ کئے ہوئے تھیں۔ ہمیں اُس پر بیٹھنے کی اجازت ملنے پر بہت خوشی ہوتی۔ بشریٰ باجی نصیحت کرتیں۔ دیکھو بزرگوں نے محنت کی تھی تو ہم نے یہ سب کچھ پایا جو محنت کرے گا اور ان کے نقشِ قدم پر چلے گا وہ اس کرسی پر بیٹھے گا۔

ناصرات کے جس مقابلہ میں آپ ہوتیں کسی دوسرے کے اوّل آنے کے بارے میں کوئی سوچ ہی

نہیں سکتا تھا۔ آپ ہمیشہ کہتیں میں نے جمیلہ باجی (جمیلہ عرفانی صاحبہ) سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ ہمیشہ اپنے استادوں کا ذکر تعظیم اور پیار سے کیا کرتیں۔ اور جب ہم یہ کہتے کہ بشریٰ باجی ہم آپ سے سیکھ رہے ہیں تو نہایت عاجزی کا اظہار کرتیں۔ گردن جھکائی جاتیں اور کہتیں۔ "نہیں چندا تم میں ہی بہت صلاحیت ہے ورنہ مجھے تو کچھ نہیں آتا" میں تو خود سیکھ رہی ہوں۔ یہ چاند جہاں بھی گیا چمکتا ہی رہا اور اپنے ماحول کو منوّر کرنے میں خوشی محسوس کی۔ اپنی تمام صلاحیتوں کو خدا تعالیٰ کی عطا جانا اور سید القوم خادمہم کے مصداق ہر عہدہ کو خدمت کا ذریعہ سمجھا۔ ہمیشہ پھلدار درخت بن کر زندگی گزاری۔

شادی کے بعد ایران گئیں تو وہاں جماعت احمدیہ لجنہ اماء اللہ کی بنیاد رکھی۔ ناساعد حالات اور زبان ناشناسی کے باوجود کام کی دھن میں رہنے کی فطرت نے حلقہ احباب میں بہت جلد اضافہ کیا اور آپ کو جماعت احمدیہ کا مؤقف بہترین رنگ میں قوم فارس کو سمجھانے کا موقع ملا۔ ۷۲ء سے ۷۹ء تک آپ نے انجان لوگوں کو انجان ملک میں خدا کی پہچان کروانے کا فرض ادا کیا۔

۱۹۷۹ء کے پرآشوب حالات میں اپنا تمام سرمایہ اور گھر بار چھوڑ کر وطن واپس آئیں مگر ایک لفظ بھی شکوہ کا زبان پر نہ آیا۔ ہمیشہ کہتیں "میرے مولا تیرا شکر ہے پھر خدمت کا موقع مل گیا ہے تو اسے قبول کر لے۔"

آپ کا خاص وصف انسانیت کی خدمت کرنے کا جذبہ تھا ہمیشہ خدا کے حضور وہ چیز پیش کرتیں جس کی سب سے زیادہ خود ضرورت مند ہوتیں یا جو بہترین چیز آپ کے پاس ہوتی۔

ایران سے واپسی کے بعد آپ کے معاشی حالات اچھے نہ تھے ایک روز ناصر (بشریٰ باجی کے بڑے فرزند) نے آکر پوچھا! امی وہ باہر فٹ پاتھ پر ایک مزدور بغیر لحاف کے سو رہا ہے اسے میں اپنا کمبل دے آؤں؟۔ آپ نے فوراً اجازت دے دی اور یہ نہ سوچا کہ گھر میں تو پہلے ہی گرم کپڑوں کی کمی ہے۔ رات دونوں بھائی ایک کمبل میں سوئے اور آپ دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہیں کہ میرے بچے کے دل میں ضرورت مندوں کی مدد کرنے کا جذبہ موجود ہے۔

آپ ہمیشہ ہمیں ایسے واقعات سنایا کرتیں اور نصیحت کرتیں۔ دیکھو بچپن میں بچّوں کے دل میں پیدا ہونے والے نیک جذبات کو ضرور ابھارا کرو۔ اس سے بچّہ اچھا انسان بن جاتا ہے ورنہ بڑے ہوتے پر ان اوصاف کا پیدا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ایران سے آنے کے بعد جہاں حورِ جہاں باجی اور بہت سی باتوں میں معتبر ہو گئیں وہاں آپ کے دل نے عشقِ رسولؐ اللہ کی ننھی چنگاری کو روشن شمع بنا لیا تھا۔

پہلے کی حور جہاں کسی تلاش میں تھی مگر ۸۰ء کی بشریٰ داؤد اپنی منزل پا چکی تھی۔ وہ بچّی جو کچھ کرنا چاہتی تھی اس کی شخصیت نے ایک حقیقی تصویر کا رنگ اختیار کر لیا تھا۔

ایران سے واپسی کے بعد خدا تعالیٰ نے آپ کو بھرپور خدمت کا موقع فراہم کیا۔ حضرت امام جماعت احمدیہ الثالث نے آپ کو پانچ رکنی کمیٹی کا ایک ممبر مقرر فرمایا اور اپنے دستِ مبارک سے حورِ جہاں بشریٰ کو بشریٰ داؤد تحریر فرمایا۔

آپ میں کام کرنے کی لگن اور نئے نئے منصوبوں
کے ساتھ تربیت کرنے کا ایک خاص جوش تھا۔ ہر
وقت کچھ کرتے رہنا آپ کی فطرت تھی۔ ہمیشہ اہلِ علم
حضرات سے اس سلسلہ میں مدد کی درخواست کیا کرتیں۔

۴ رمئی ۱۹۸۴ء کو آپ نے میٹرک کے امتحان
کے بعد ایک ماہ کے لئے طالبات کے لئے تربیتی کلاس
ضلع کی سطح پر لگائی جس میں مکرم مولوی محمد اشرف ناصر
صاحب مربی سلسلہ، مکرم حسین احمد صاحب اور مکرم نعیم احمد
صاحب کے علاوہ کراچی کی صاحبِ علم خواتین نے اساتذہ
کے فرائض انجام دیئے۔ اس کلاس کا کورس آپ نے
باقاعدہ مرکز سے منظور کروایا۔ حضور نے
اس کورس کو بہت پسند فرمایا اور خاص طور پر پڑھانے
اور پڑھنے والوں کو خطوط ارسال فرمائے۔

یہ سلسلہ بعض حالات کی وجہ سے ہر سال جاری
نہ رہ سکا مگر بشریٰ باجی کا لگایا ہوا یہ پودا یوں ثمر بار
ہوا کہ اب ہر قیادت میں سال میں ایک بار اسی کلاس
کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں بشریٰ باجی خود بھی لیکچر
ضرور دیا کرتیں۔

اس کلاس کے کامیاب انعقاد کے بعد تو بس
تمام سال آنے والے وقت کے لئے آپ منصوبہ بندی
کرتی رہتیں اور خدا تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ فروری
۱۹۸۴ء میں آپ نے حضور کی اجازت
سے مربی سلسلہ مکرم مولانا سلطان محمود انور صاحب کی
مشاورت سے ایک پروگرام بنایا جس میں طالبات نے
۳ سال کے لئے باقاعدہ کالج چھوڑ کر داخلے لئے۔
حضور نے اس کلاس کا خود ۱۳ رفروری
۱۹۸۴ء کو افتتاح فرمایا اور سورۃ الفاتحہ کی

تفسیر پڑھائی۔

یہ کلاس بھی بعض حالات کی وجہ سے
ہمارے لئے جاری رکھنا ممکن نہ رہی۔ اس کلاس کے
بند ہونے کا آپ کو اس قدر ملال تھا کہ بار بار
جب بھی کسی پروگرام کے بارے میں بات ہوتی آپ
کہتیں میرا مولا ایسا سبب پیدا کردے کہ میرے
آقا کے ہاتھ سے جاری ہونے والی کلاس پھر اپنی
افادیت سے ممبرات کو فائدہ پہنچا سکے۔

آپ نے اپنی اس خواہش کو اپنے وسائل میں
رہتے ہوئے یوں پورا کیا کہ عرصہ ایک سال سے احمدیہ
ہال میں ہر ماہ ایک کلاس بزمِ امورِ طالبات کے تحت
جاری کردی جس میں سیرۃ النبیؐ آپ کا خاص موضوع
رہا۔ اس میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
زندگی کے اُن پہلوؤں کو طالبات کے سامنے اجاگر کیا
جو آجکل کے حالات کے مطابق عین جماعت کی ضرورت
ہیں۔ اس کلاس میں آپ طالبات کو فیلڈ میں کام
کرنے کے طریقے بتایا کرتیں۔ طالبات کو اختلافی
مسائل پر لیکچر دیئے جاتے۔ ان کے تمام سوالات کے
جوابات دیئے جاتے جو فیلڈ میں اُن سے کئے گئے
ہوں۔ طالبات سے مختلف عناوین پر مضامین لکھوائے
جاتے اور بہترین مضمون کلاس میں سُنایا جاتا۔ نامساعد
حالات کے باوجود حاضری ۶۵ طالبات سے کبھی کم نہیں
ہوئی۔ اس کلاس میں کُتب حضرت بانیٔ سلسلہ پڑھائی
جاتیں اور آپ کے مشن کے بارے میں طالبات کو معلومات
مہیّا کی جاتیں۔ آپ نے بچیوں سے الفضل، جماعتی
رسائل اور دینی کتب کی لائبریری بنوائی۔ بشریٰ باجی کی
شخصیت میں ایسی کشش تھی کہ طالبات کالج سے

سیدھا احمدیہ ہال آتیں جلد جلد منہ ہاتھ دھو کر نہایت بشاشت سے کلاس اٹینڈ کرتیں اور اللہ کا فضل و کرم ہے کہ طالبات نے اس کلاس سے اتنا کچھ سیکھا کہ اب وہ فیلڈ میں کام کرنے کے قابل ہیں۔ یہ کلاس اب بھی جاری ہے۔

آپ کو سیرت پاکؐ بیان کرنے میں ایک خاص مقام حاصل ہؤا۔ یہ مقام آپ نے کس طرح اور کیوں حاصل کیا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہم جیسے بہت سوں کے لئے خدا کی رحمتیں حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

آپ نے سیرتِ مبارکہ کا مطالعہ کرنا ہی اپنا مقصدِ حیات بنا لیا اور اس سے جو کچھ سیکھا اُس پر خود عمل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور ہمارے لئے عملی نمونہ پیش کرنا شروع کیا۔

سیرت مبارکہ پر آپ ایک محققانہ نظر ڈالتے ہوئے ہر لمحہ اس کوشش میں رہتیں کہ اس بہتے دریا سے ہمیشہ نئے رنگ میں لوگ سیراب ہوتے رہیں۔ اس زندہ چشمہ کا فیض تمام عالم میں جاری ہو جائے۔ کراچی میں آپ کی کوششوں سے ایک سال میں ۳۱۰ تک چھوٹے بڑے جلسہ ہائے سیرۃ النبیؐ کا انعقاد کیا گیا۔ ہم حیران ہوتے کہ ایک سال میں ۴۷ بڑے جلسوں میں آپ شریک ہوئیں اور نہ صرف شریک ہوئیں بلکہ جلسہ کے دوران ہی ایک کونہ میں بیٹھی کچھ لکھ رہی ہیں اور پھر اختتامی خطاب کے طور پر سیرت النبیؐ پر تقریر شروع کی تو تمام سامعین محوِ حیرت کہ یہ کونسا عشق کا انداز ہے؟۔

آواز پر جوش، انداز پُر درد، الفاظ پُر اثر، شخصیت پُر وقار!!!

ہم سب رشک کرتے میں اکثر پوچھتی آپ ایسا کیسے کر لیتے ہیں؟ ۔ کہتیں۔ "بچے وہ ذات ہی ایسی ہے جس سے عشق کئے بغیر زندگی ہی نہیں"۔

یہ عشق ہی تھا کہ بشریٰ باجی کا شروع کیا ہؤا ہر عنوان سیرۃ النبیؐ سے ضرور جا ملتا۔ جب بھی کوئی بات سمجھاتیں۔ سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہی حوالہ دیتیں۔

اس عشق نے ہی اس حورِ جہاں کی تقاریر میں وہ اثر پیدا کر دیا کہ اب جو بشریٰ باجی جلسہ سیرۃ النبیؐ میں شریک ہوتیں جلد جلد چند نکات چھوٹے سے کاغذ پر نوٹ کرتیں اور پھر اپنا دل کھول کر حاضرین کے سامنے رکھ دیتیں۔ کئی بار کی سُنی ہوئی بات کچھ اس انداز میں حاضرین کے سامنے پیش کرتیں کہ معلوم ہوتا ہم مکّہ کی گلیوں میں گھوم رہے ہیں۔ رسولِ خدا ہمارے ساتھ ہیں اور ایک ایک بات ہمارے سامنے کی ہے۔ عموماً جلسہ کے اختتام پر غیر از جماعت مہمان ملاقات پر کہتے آپ بہت اچھا وعظ کرتی ہیں۔ ہمارے میلاد میں آئیں گی؟۔

آپ نہایت بشاشت سے دعوت قبول کر لیتیں اور ہم سے کہتیں "لو بھئی میں بھی مولود پڑھنے والی بن گئی ہوں۔ پھر کہتیں "اگر مجھے اپنے آقا کی سیرت بیان کرنے کی نوکری مل جائے تو کیا ہی اچھا اجر ہے اور کیسی خوبصورت غلامی ہے"۔ آپ کی ہی وجہ سے ایسا بھی ہوتا کہ جلسہ منعقد کرنے والی غیر از جماعت بہنیں ہوتیں اور جلسہ کا پروگرام احمدی ممبرات کی ٹیم کرتی۔

سخت بیماری کے ایام میں بھی کہیں سے جلسہ سیرت میں شرکت کی دعوت ملتی تو ضرور جانے کی کوشش کرتیں۔ خدا تعالیٰ نے بھی آپ کی اس خواہش کو یوں

پورا کیا کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق جماعت احمدیہ لاہور لجنہ اماء اللہ نے نومبر ۱۹۹۲ء میں آپ کو جلسہ ہائے سیرۃ النبیؐ میں شرکت کی دعوت دی۔ ڈاکٹرز نے آپ کو BED REST کے لئے کہا مگر آپ نے اس سنہری موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ سو دعاؤں میں لگ گئیں۔ تمام ماہ آپ کی طبیعت بہتر رہی۔ خدا کا کرنا کہ ڈاکٹر ہی اپنے کسی کام سے امریکہ چلی گئی۔ یوں آپ نے اپنی خوشی سے یہ فرض ادا کیا۔

آپ نے لاہور میں چھ جلسوں میں سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان کی جس میں ۷۸۷ مہمان خواتین نے شرکت کی۔ کراچی آکر آپ ہر لمحہ اپنے مولا کا شکر ادا کرتیں۔ ہم نے اس کامیاب دورہ پر مبارک دی تو عاجزی سے کہنے لگیں۔ "میرے آقا کا ذکر تھا اس لئے دورہ کامیاب رہا پھر میرے حضور حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ...... کی خواہش تھی اس لئے خدا تعالیٰ نے بہترین نتائج نکالے۔"

آپ ایک دن میں دو دو جگہ سیرۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگراموں میں شرکت کرتیں۔

بشریٰ باجی میں حقیقی کارکن کی روح تھی ہمیشہ کام اور بے لوث کام۔ کبھی نہ صلہ کی خواہش نہ نام و نمود کی تمنّا۔ جہاں لوگ کرسی کی خاطر ناراض ہوتے وہاں آپ چھپ کر بیٹھی ملتیں۔ ہم کبھی کہتے بھی کہ آپ یہاں سامنے آکر بیٹھیں تو ہمیشہ کہتیں بچے میں نیچے زیادہ آرام سے ہوں اور مجھے اوپر بیٹھنے میں شرم آتی ہے۔ "میں نے ایسا کونسا کام کیا ہے کہ اوپر بیٹھ کر فخر کروں۔"

آپ کا خاص انداز کام کرنے کا تھا۔ ہر کام کو لکھ لیا کرتیں اور جب بھی کسی میٹنگ یا جلسہ یا لیکچر میں شرکت کرتیں تو وہاں ضرور ڈائری میں وہ تمام باتیں نوٹ کرتیں اور پھر بار بار ان ہدایات کو پڑھتیں۔ کوئی کاغذ ایسا نہ ہوتا جو مانگو اور فوراً نہ مل جائے۔ ہمیشہ نائبات تیار کرنے پر زور دیتیں۔ آپ نے ایک وقت میں کئی کئی بہنوں کو کام کرنا سکھایا ہمیشہ کہتیں جب تم کہیں اور چلی جاؤ تو ضرور اپنے پیچھے ایسی کارکن چھوڑ جانا کہ جماعت کا کام ایک لمحہ کو بھی نہ رکے۔ اللہ میاں کسی اور سے کام لے لے گا۔ لیکن اگر تمہاری تیار کی ہوئی کارکن ہوگی تو اجر تمہیں بھی ملے گا۔

آج آپ کی تیار کی ہوئی کارکنات تمام دنیا میں نہ جانے کہاں کہاں کام کر رہی ہیں اور اس اجر کا کون کون سا حصّہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہماری پیاری بشریٰ باجی کے حصّہ میں لکھ دیا ہے۔

آپ کی تیار کی ہوئی کارکنات آپ کے زیرِ تربیت رہنے کی وجہ سے جہاں بھی ہیں فعّال کارکن ہیں۔ آپ کا دیا ہوا درس خدمت عشقِ الٰہی اور حبّ رسولؐ ایسی دولت ہے جو آپ نے بہت خرچ کی اور جسے ہم نے خوب جمع کیا۔

آپ کے نام سے منسوب ہونا ہمارے لئے اعزاز ہے۔ ۱۹۸۹ء کے سالانہ اجتماع ناصرات الاحمدیہ قیادت نمبر ۴ کے موقع پر خالہ جان سلیمہ میر صاحبہ نے ہماری قیادت کو پاکستان بھر میں سوم آنے پر مجھے مبارک دی تو آپ نے فرمایا "اس قیادت کو جو سیکرٹری ناصرات میسر آئی ہے وہ مجھے اس لئے پیاری ہے کہ یہ میری بشریٰ کی تیار کی ہوئی بچی ہے اور اپنے

استاد کا خوب رنگ اپنے اندر رکھتی ہے "۔
خدا تعالیٰ نے باجی بشریٰ کو رنگ ہی ایسا دیا کہ ہر ایک جو آپ کے قریب ہوا اس رنگ و خوشبو سے ضرور حصہ پانے والا بنا۔ آپ اپنے مولا پر عاشق تھیں ہمیشہ کہتیں کیسا پیارا مولا ہے کہ مجھ جیسی ناچیز ہستی کو بھی اپنے پیار سے ہر وقت نوازتا رہتا ہے۔ ہر خوشی کو خدا تعالیٰ کا انعام قرار دیتیں اور ہر تکلیف پر اپنی کوتاہیوں کو یاد کرتیں۔ حقیقی مومن کی طرح دونوں صورتوں میں خدا کے ہی آستانہ پر حاضر ہوتیں خدمتِ دین کو ہی خدا کا انعام سمجھا اور زندگی کا مقصود جانا۔ ایک واقفِ زندگی کی طرح دن رات صبح و شام سب خدا کی راہ پر خرچ ہو رہے تھے۔ عہد نامہ دہرایا اور اس پر عمل کر کے دکھایا"۔ اپنی ذاتی ضرورتوں اور کاموں کو جماعت کے کاموں کے سامنے کبھی نہ آنے دیا۔

شعبہ اصلاح و ارشاد کا یہ چلتا پھرتا دفتر احمدیہ ہال کی گیلری میں دری پر اپنی مخصوص جگہ پر براجمان اپنے گرد ملنے والوں کے جھرمٹ میں شمع کی مانند روشن ہر ایک کی آنکھ کا تارا اور مسائل کا حل۔ ہر وقت خدمت کو تیار بشریٰ داؤد کا وجود۔ کوئی رو رہا ہے تو اُس کو تسلّی مل جاتی اور ساتھ ہی صبر کی تلقین کوئی خوش ہے تو صدقہ کی تحریک کرتیں اور شکر بجا لانے کی طرف توجہ دلاتیں کوئی شکایت کرتا تو سُن کر کہتیں اب میں نے آپ کی بات سُن لی ہے۔ اب آپ اپنا دل صاف کرلیں اور خدا سے اجر مانگیں۔ کہیں رشتہ ناطہ کا سلسلہ چل رہا ہے تو کہیں کتب تقسیم ہو رہی ہیں۔ کارکنات کے آپس کے مسائل یا قیادتوں کے مسائل کوئی شعبہ، کوئی مسئلہ حل کرنے والی بشریٰ باجی!۔

ہمہ وقت خدمتِ دین بجا لانے والی بشریٰ باجی کی خدمتِ دین بجا لانے کی خواہش پیارے مولیٰ نے کس کس طرح پوری کی اس کا ایک نظارہ جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۹۱ء کے دوران ہم نے دیکھا کراچی سے لاہور تک ایک ساتھ سفر کے دوران ہم تمام رات باتیں کرتے رہے۔ اپنی سیٹیں بزرگ خواتین کو دے دیں اور خود زمین پر بستر ڈال کر بیٹھ گئے۔ باتیں کرتے رہے، دعائیں کرتے رہے۔ جلسہ سالانہ ربوہ کے بعد بہت طویل عرصہ کے بعد اس طرح سفر کر رہے تھے۔ اس موقع کی خوشی تمام چہروں سے عیاں تھی۔ بشریٰ باجی تو اس خوشی کے تصوّر سے ہی نہال ہو رہی تھیں کہ ہم اپنے محبوب کی بستی کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ اللہ کا کرم قادیان کی زمین پر قدم رکھا اور خدا تعالیٰ نے یوں رحمت برسائی کہ جاتے ہی لجنہ کراچی کی ڈیوٹی سیکورٹی پر لگا دی گئی ہماری انچارج بشریٰ باجی اور ہم ملکہ مکھی کی کارکنات صبح سات بجے جلسہ گاہ جاتے رات آٹھ بجے واپسی ہوتی۔ ہمارے ہزار کہنے پر آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں آپ بیٹھ جائیں ہم کر لیں گے مگر خدمت کا جذبہ ان کو بیٹھنے ہی نہ دیتا۔ وہ تمام اشیاء جو ہم مستورات سے لے کر جمع کر لیتے جب تک واپس نہ ہو جاتیں آپ گھر نہ جاتیں۔

صبح تہجد پر سب سے پہلے بیت مبارک میں موجود سیڑھیوں پر سے جوتیاں اٹھا کر اسٹینڈ پر رکھ رہی ہوتیں اور سات بجے پھر جلسہ گاہ میں موجود۔

قیام قادیان میں طبیعت انتہائی خراب ہونے کے باوجود دارالضیافت میں قیام کیا۔ مہمان خانہ

حضرت بانیٔ سلسلہ سے اچھی کوئی جگہ نہیں اور یہاں پر مجھے کام کرنے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہے۔

حضور کی تحریکات پر جان نثار کرنے والی بشریٰ باجی BED REST پر تھیں کہ عالمی بیعت کی تحریک آگئی۔ بس پروانہ شمع سے کس طرح جدا رہتا تمام ڈاکٹری ہدایات ٹھکرا کر احمدیہ ہال آگئیں ہم حیران اور ناراض کہ آپ کو کس نے کہا تھا آئیں کہنے لگیں: "میری جان آج میں بہت ٹھیک ہوں اور کیا میں اس موقع سے محروم رہوں کہ میرے آقا کی دعائیں میرے لئے بھی ہوں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ تم سب دعا کرو اللہ ہمیں بھی سرخرو کرے اور جب میں اپنے مولا کے حضور جاؤں تو شرمندہ نہ ہوں۔

ہسپتال میں آپریشن کے بعد ہوش آنے پر میری پہلی ملاقات پر فوراً پوچھا کیا خبر ہے۔ میں نے کہا ۷۰ ہو چکی ہیں۔ چھوٹا سا منہ نکل آیا آنکھوں میں نمی لئے کہنے لگیں۔ جان سَو کی خبر کیوں نہیں سنائی۔ میں نے تو بے ہوش ہونے تک اپنے مولا سے یہ ہی دعا کی تھی کہ میرے مولا مجھے شرمندہ نہ کرنا۔ میں نے کہا ابھی تو تیرہ دن باقی ہیں۔ اگر چار ہفتوں میں ستر ہو گئی ہیں تو کیا ۱۳ دن میں ۳۰ نہ ہوں گی۔ کہنے لگیں ہاں ہاں ضرور ہوں گی۔ میرا مولا مجھے کبھی مایوس نہیں کرتا۔ وہ مجھے کبھی شرمندہ نہیں کرے گا۔

انتہائی علالت کی حالت میں بھی اپنا تمام لکھنے پڑھنے کا سامان ہسپتال لے گئیں کہ لیٹے لیٹے وہی کام کر لوں جو وقت کی کمی کی وجہ سے نہیں کر پائی۔ پورے وارڈ میں سب کی دوست اور غمخوار بشریٰ باجی سے جب ڈاکٹر ملنے آئی تو کہنے لگی پورے ہسپتال میں یہ ایک ہی مریضہ ہے کہ جب بھی حال پوچھو کہتی ہے کہ اللہ کا کرم ہے پہلے سے بہتر ہوں"۔ ہمیں ہمیشہ وقت کی قدر کرنے کی تلقین کرنے والی بشریٰ نے اپنا وقت یوں استعمال کیا کہ اگر میں نے کسی کام سے رات بارہ۱۲ بجے بھی فون کیا تو پہلی گھنٹی پر ریسور اٹھا لیا۔ میں نے معذرت کی تو ہمیشہ یہ جواب ملا میں تو جاگ رہی تھی کچھ پڑھنا تھا۔ ویسے بھی تم نے تو میرے ہی کام سے فون کیا تھا۔ میں نے جب بھی کہا بشریٰ باجی آپ کو آرام کی ضرورت ہے کبھی اپنا خیال بھی رکھ لیا کریں۔ ہمیشہ کہتیں۔ جان میں بالکل ٹھیک ہوں چند روز کی زندگی کے بعد تو آرام ہی کرنا ہے پھر کیوں نہ کچھ کام کر لوں۔

کام میں مصروف اس معتبر ہستی نے ۷۰ سے زیادہ کتابوں کے مسودات تیار کئے ہوئے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ تمام دنیا کو خدا تعالیٰ نے ۲۴ گھنٹوں کا دن دیا ہے مگر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی اس خادمہ کو آپ کے ..... کے مطابق وقت نہ ضائع کرنے والی بشریٰ بنا کر لامحدود وقت دے دیا اور لافانی کام کروانے کے لئے لامحدود وقت دے دیا۔ اور لافانی کام کروا کر ہمارے دلوں میں ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔

زندگی کی پیمائش سالوں اور مہینوں سے نہیں کاموں سے ہوتی ہے اور اس لحاظ سے ہماری حور جہاں بشریٰ "زندہ تھیں، زندہ ہیں اور زندہ رہیں گی"

امۃ الباری ناصر۔ کراچی

ایک ننھی بشریٰ

حُورجہاں بشریٰ کی قابلیت کا شہرہ اُس سے ملاقات سے پہلے مجھ تک پہنچ چکا تھا۔ ربوہ کے سالانہ اجتماعات میں ہر شہر کی چیدہ مقررات کے درمیان مقابلہ ہُوا کرتا تھا۔ کراچی کی نمائندگی کرنے والی ٹیم میں انعامات وصول کرنے والوں میں دو چٹیوں والی سمارٹ سی لڑکی پیش پیش تھی۔ تقریری مقابلے نوٹ لینے کی اہلیت رکھنے والی حوری بہت جلد معروف ہوگئی۔ ۱۹۶۴ء میں خاکسار کراچی آئی تو مرکز میں سیکرٹری ناصرات الاحمدیہ ہونے کی سعادت کی وجہ سے کراچی لجنہ نے پذیرائی کی۔ استقبالیہ دیا گیا جس میں بشریٰ نے بڑی اچھی تقریر کی۔ جب اس نے اپنی آٹو گراف بک میری طرف بڑھائی تو اس میں بہت سی محترم ہستیوں کے دستخط اور ناصحانہ جملے پڑھ کر بچی کے اس مفید شوق سے بہت متأثر ہوئی۔ کراچی، لاہور، اسلام آباد میں کچھ کچھ سال گزار کر جب ۱۹۸۰ء میں کراچی منتقل ہوئے تو خاکسار کو لجنہ کا کام باقاعدگی سے کرنے کا موقع ملا۔ کسی شہر میں نیک مستعد ہم مزاج ساتھی مل جانا نعمتِ عظمیٰ ہوتا ہے۔ ہماری کوئی رشتہ داری نہ تھی۔ الٰہی رفاقت نے یک جان دو قالب کر دیا۔ احمدیت کا رشتہ سب رشتوں سے قوی تر اور مبارک ہے۔ تنظیم کے مفوضہ فرائض میں ہم آہنگی اور تعاون کے علاوہ بے تکلف تعلقات میں دکھ سکھ کے شریک ہو گئے اس طرح میرا اور بشریٰ کا سگی بہنوں جیسا معاملہ ہو گیا۔ بشریٰ کی صحت کافی عرصے سے کسی نہ کسی عارضے سے کمزور ہو رہی تھی اور اس کے علاج پر مناسب توجہ نہ دینے کا موضوع اکثر زیرِ بحث رہتا۔ آپا سلیمہ، مسز بھٹی، پمی، برکت ناصر، نگار، نعیمہ سب ہی اُسے حسبِ توفیق ڈانٹتے اور اصرار کرتے کہ بشریٰ ڈھنگ سے علاج کروا لو تاکہ زیادہ کام کر سکو۔ بشریٰ کو کاموں سے فرصت نہ تھی۔ وہ حساب لگاتی کہ کتنے دن نکل جائیں گے اور کتنا کام پڑا رہ جائے گا۔ اُسے اپنے عرصۂ حیات کی تنگی کا علم نہ تھا ورنہ شاید وہ زندگی کرنے کی ضروریات جتنا وقت دیتی وہ بھی جماعت کو دے ڈالتی۔ بالآخر بڑے اصرار سے وہ آپریشن کروانے پر آمادہ ہو گئی۔

اپریل ہو گا جب ہم پہلی دفعہ ہولی فیملی ہسپتال کی او پی ڈی میں کھڑے تھے۔ ہر علاقے کی خواتین اپنی اپنی باری کے انتظار میں بنچوں پر بیٹھی تھیں۔ بشریٰ اور میں ایک دیوار کے ساتھ لگے کھڑے تھے اور حسبِ معمول مختلف النوع موضوعات پر تبصرہ کرنے کے لئے فرصت ہی فرصت تھی۔ بہت دیر تک تو اپنی مرض کی باتیں کرتی رہی۔ میں اس سے ذکر کر بیٹھی کہ چند دن پہلے جب تمہاری امی سے کہا کہ آپ بشریٰ پر زور ڈالیں کہ وہ علاج کروائے تو کس طرح وہ بے اختیار ہو کر روئی تھیں کہ بشریٰ اپنی صحت پر توجہ نہیں دیتی کہتی ہے ابھی بہت کام ہیں۔ اس بات پر بشریٰ کو اپنی

امی پر ٹوٹ کے پیار آیا تھا وہ اپنے ماضی میں چلی گئی تھی۔ وہیں پر اُس نے بتایا تھا۔ ایک دفعہ وہ کچھ کھیلنے میں مصروف تھی۔ مگن کھڑی کہ فراک بکری نے کھا لیا کیسے وہ پیڑوں پر چڑھ کر دھما چوکڑی مچا کر کپڑے میلے کر کے پھاڑ کر گھر آیا کرتی تھی۔ کیسے بہنوں سے مل کر کھیلتے اور جھگڑا کرتے تھے۔ گھر میں دادی اماں کی لاڈلی تھی وہ کسی کو کچھ کہنے نہیں دیتی تھیں۔ امی جب کبھی ملول ہوتیں تو بڑی خاموشی سے اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے اور وہ یہ شعر پڑھا کرتیں۔ ؎

حاجتیں پوری کریں گے کیا تری عاجز بشر
کر بیاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے

کبھی بیگ صاحب کا مزاج ٹھکانے نہ ہو تو بڑی عاجزی سے کہتیں آپ خفا ہیں تو مجھ سے کھانے سے کیا جھگڑا ہے۔ کھانا تو کھا لیجیئے۔ بشریٰ نے بتایا کہ کس طرح سال کے بعد کالج سے کاشن منی واپس ملنے پر خوشی سے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے اور یکمشت دس روپے خرچ کرنے کے لئے سب سے بہتر ترکیب امی کے لئے چپل خریدنا ہوتی۔ امی بیگ صاحب کے پرانے کرتے رنگ کر کے پہن لیتیں۔ پھٹے ہوئے دوپٹے چُن کر اوڑھ لیتیں پھر جیوٹ کی بوریوں کو سی کر اُس پر اون سے کڑھائی کر کے قالین بنانے کا قصہ بھی سنایا۔

ہم دونوں عجیب جذباتی ہو رہی تھیں۔ میرے بچپن کی یادوں میں بھی کچھ یہی کچھ تھا۔ میں نے بھی اسے بتایا کہ دورانِ تعلیم کتابوں کاپیوں کا مکمل ہونا کبھی ممکن نہ ہوا تھا۔ اس پر اسے اپنی امی کی کتابوں کی سنبھال جلد بندی اور پرانی کاپیوں سے کاغذ نکال نکال کر سینا یاد آیا۔

ہماری نظریں تو ڈاکٹر کے کمرے کے دروازے پر تھیں کہ کب بلاوا آتا ہے مگر ماضی کو کھنگالنے میں مصروف تھے۔ ایک نازک سی کم عمر پٹھانی لڑکی جب بغیر باری کے ڈاکٹر کے کمرے میں گھسنے کی ناکام کوشش پر پسپا ہو کر پیچھے ہٹتی تو اس کا ادھیڑ عمر موٹا تازہ پٹھان شوہر اسے سرمہ لگی آنکھوں سے اس طرح گھورتا جیسے بس چلے تو یہیں ذبح کر دے۔ تیز قدموں سے آگے اسے ڈانٹتا اور اندر گھسنے کی کوشش جاری رکھنے کی پشتو میں تلقین کر کے مونچھوں پر تاؤ دینے لگتا۔ بہت سی مکرانی، سندھی، پنجابی، بلوچی، پٹھانی، ان پڑھ یا کم تعلیم یافتہ عورتوں کو دیکھ کر ہمارے دل درد مند ہو رہے تھے۔ دنیا میں کتنے لوگ بیمار ہیں۔ انہیں غور سے دیکھتے ہوئے بشریٰ نے کہا دیکھو ہمیں کتنا کام کرنا ہے۔ ان سب کو احمدیت کی تعلیم دینی ہے۔ عورتیں اتنے دُکھ اس لئے اٹھاتی ہیں کہ نہ اُن کو علم ہے کہ ان کے حقوق کیا ہیں۔ فرائض کیا ہیں نہ مردوں کو پتہ ہے انسانیت اُن سے کیا تقاضا کرتی ہے۔ ہمیں اُس پیمانے پر انقلاب لانا ہے جیسے دورِ اوّل میں لایا گیا تھا۔

بشریٰ کی آواز دھیمی تھی مگر تقریر کا سماں بندھ چکا تھا۔ میرے پرس میں حضور پُر نور کا تازہ مکتوب تھا جو ہم نے ابھی مل کر نہیں پڑھا تھا۔ حضور کی یادوں سے ہم غیر محسوس طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر تک پہنچے۔

میں یہ بتاتی چلوں کہ بشریٰ کی سیرۃ پر کتابیں لکھنے اور تقاریر کی تیاری میں ظاہر ہے۔ لازماً دل سے محبت بھی شامل تھی۔ کثرت سے سیرت کی کتب کا مطالعہ کرتی اور مجھے عمومی طور پر مطالعہ کی عادت ہے۔ اس

طرح ہمارا موضوع سیرۃ طیّبہ ہی رہتا۔ ہم نے مکہ مدینہ کی مقدس بستیوں کا خاکہ سا بنا رکھا تھا۔ مطالعہ سے جو نئے رنگ ملتے ہم اُس میں بھرتے چلے جاتے حتیٰ کہ ہمیں ایک جیتی جاگتی دُنیا محسوس ہونے لگی تھی۔

بشریٰ کو ڈاکٹر صاحبہ نے دیکھ کر آپریشن کا فیصلہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی پتہ چلا کہ وہ کچھ عرصے کے لئے چھٹی پر جا رہی ہیں۔ بشریٰ کے پاس اب یہ معقول بہانہ تھا کہ ڈاکٹر صاحبہ کی واپسی تک وہ دوا کھا کھا کے وقت گزار لے گی۔ بشریٰ اپنی قوتِ ارادی اور جذبۂ خدمتِ دین سے چل رہی تھی ورنہ اکثر اسے کوئی نہ کوئی تکلیف رہتی۔ ایک دفعہ بہت عرصہ ہلکا ہلکا بخار رہا۔ کبھی کبھی کھانسی بھی اُٹھتی تھی۔ دردِ شقیقہ سے بے حال ہو جاتی۔ گردے میں بھی درد محسوس کرتی اس کے علاوہ بھی اُسے تکلیف تھی مگر وہ ہم سب سے زیادہ لجنہ کا کام کرتی سب سے زیادہ گھر پر محنت کرتی۔ جلسے تقاریر دورے بڑا وقت لیتے۔ اس کے علاوہ فون سُننا اور فون کرنا بہت وقت طلب کام تھے۔ اُسے ملال رہتا کہ وہ بچوں کو اتنی توجہ نہیں دے سکتی جتنی دینی چاہیئے۔ داؤد بھائی کو تو واقعی وقت نہیں دے سکتی۔ امی آبا کو ملنے نہیں جا سکتی باقی رشتے داروں سے ملنا، تقریبات پر جانا۔ سب کچھ لازمی تھا۔ مگر وقت اور ہمت میں کہاں سے گنجائش لاتی۔ وہ کبھی کبھی رات رات بھر بیٹھ کر لکھنے کا کام کرتی وہ سارے کپڑے خود سیتی تھی۔ جمعہ، اجلاس، جلسہ کو ہر کام پر ترجیح دیتی۔ رمضان المبارک میں دوپہر تک کھانا پکانے اور دیگر گھر کے کام کر کے کھانا ساتھ لیتی اور بچوں کے ساتھ احمدیہ ہال آجاتی۔ عصر کی نماز، پھر درس پھر مغرب کی نماز، پھر کھانا اور ذرا سا آرام اور عشاء اور تراویح پڑھ کر گھر جاتی۔ گھر پانچویں منزل پر تھا اور لفٹ نہیں تھی۔ آخری مہینوں میں ڈاکٹر نے سیڑھیاں اترنے چڑھنے سے منع کیا تھا۔ ہمت بھی نہ تھی اس لئے پیر کے پیر ملاقات میں کمی آگئی۔ ڈاکٹر صاحبہ چھٹیاں کر آئیں تو آٹھ جولائی ہسپتال میں داخل ہونے کی تاریخ دی۔ انہیں دنوں دعوت الی اللہ کا نیا ٹارگٹ آگیا۔ پُر ولولہ دیوانی اس ٹارگٹ کے لئے بے تاب ہو کر کام کرنے لگی۔ محترمہ مبارکہ ملک صاحبہ کی وفات حسرت آیات پر ہم دونوں اکٹھے گئے تھے۔ غمی خوشی بیمار پرسی تعزیت وغیرہ میں عموماً ساتھ رہتا مگر یہ ساتھ آخری تھا۔ سارا رستہ باتیں پھر وہاں بھی ساتھ بیٹھے۔ واپسی پر بھی ساتھ تھے اور یہ میری پیاری بشریٰ سے طویل ملاقات تھی جس میں غم کے آنسو بھی تھے۔ نئے احمدی بنانے کے عزائم بھی تھے اور.. اور.. اور بہت کچھ تھا۔ جولائی کے شروع میں فون پر باتوں کا رنگ کچھ اس طرح تھا۔ میں نے سارے بستروں پر صاف چادریں بچھا دی ہیں تاکہ بچوں کو تکلیف نہ ہو۔ میں نے بہت سے کھانے پکا کر فریز کر دیئے ہیں۔ میرے بعد کام آئیں گے۔ آج ڈھیر سارے کپڑے دھوئے ہیں تاکہ میرے بعد کچھ عرصہ تو نکل جائے۔ طوبیٰ کے کپڑے استری کر کے لٹکا دیئے ہیں۔ اب بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔

ایک دن کہنے لگی دل گھبرا رہا ہے کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ آپریشن کے بعد کوئی واپس آ ہی نہ سکے میں داؤد کو کہوں گی کہ اگر ایسا ہوا تو سارے کا نذ باندھ کر تمہارے گھر دے آئیں۔ باقی کام تم کر لینا۔ ایک دن اللہ پاک کے غفور الرحیم ہونے پر بات ہوئی۔

ہر دفعہ بات میں ٹارگٹ کے لئے دعا کرو۔ اس کی دعائیں بھی عجیب ہوتیں۔ کہتی دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ مجھے اُس وقت اٹھالے جب اس کی رضا کی نظریں مجھ پر پڑ رہی ہوں۔ پھر کہتی دعا کرو۔ نسلوں تک نسلوں تک نسلاً بعد نسلٍ ایمان کی دولت نصیب ہو۔ کبھی کہتی دعا کرو خداتعالیٰ مجھے اس جماعت میں شامل کرلے جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرایا جائے گا۔ کبھی کہتی وہ نظر نہیں آتا۔ ملتا نہیں ہے ورنہ میں اسے ایسا چمٹوں کہ کبھی نہ چھوڑوں۔ بس ایک دفعہ مل جائے۔ تم دعا کرو میں اسے پالوں۔ میرے نفس میں اور مجھ میں اتنا بعد ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ کو میرا دل پسند آجائے۔

محبت اللہ تعالیٰ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مسائل کا محور تھا۔ اسی کی طاقت سے وہ چل رہی تھی۔ وہ اللہ والوں سے پیار کرتی تھی۔ وہ باعمل عالم تھی۔ وہ کبھی کسی کا دل نہ دکھاتی تھی۔ عجیب پیار بھرے انداز میں تسلّیاں دیتی۔ یہ جیسے طے شدہ بات تھی کہ مشورہ کرنا ہو اُس سے کرلو۔ بہترین مشورہ ملے گا۔ کوئی گھبراہٹ ہو اُسے فون کرلو پیار سے کوئی حل بتلائے گی اور اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرف رُخ موڑ دے گی۔ کسی امر میں فیصلہ کرنا ہو تو وہ بڑی جلدی نتیجے پر پہنچ جاتی۔ اُس کی رائے مؤقر اور فیصلہ وقیع ہوتا۔

دس جولائی کو ہسپتال داخل ہوئی۔ تیرہ کو کامیاب آپریشن ہوا۔ وہاں مریضوں سے ہمدردی کرکے دل موہ لیا پھر اپنا پیغام دیا۔ بہت جلد ہر دلعزیز ہوگئی۔ بہت لوگ اُسے ملنے گئے۔ ہر ایک خوش باش آیا۔ بس وہ التجا کرتی دعا کرو ٹارگٹ پورا ہوجائے۔ ایک دن اپنے بھائی باسط کو کہا تم آتے ہو کھانا دینے ہو۔ وہاں کھڑے ہوکر حال پوچھتے ہو اور چلے جاتے ہو۔ ادھر میرے قریب آؤ پھر اُس کا سر پکڑ کر اپنے سینے سے لگاکر بھینچ لیا اور بہت پیار کیا۔ بہت دعائیں دیں۔ مسز وہاب صاحبہ اور میں اُس سے ملنے گئے۔ ہسپتال میں بستر پر میری بشریٰ ہشاش بشاش لیٹی تھی زیادہ تر ٹارگٹ کی باتیں ہوئیں، واہمہ بھی نہ تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ میں نے کہا بشریٰ پانچ سیڑھیاں چڑھ کر جاؤ گی۔ انہیں سیڑھیوں نے تمہیں بیمار کیا ہے۔ یہ گھر بیچ دو کہیں نیچے لے لو۔ میری طرف دیکھا اور بڑے سکون سے بولی۔

"میرا اللہ بھی تو جانتا ہے وہ جب چاہے گا میرے لئے انتظام کردے گا۔ جہاں چاہے گا وہیں رہ لوں گی وہ بڑا پیارا ہے۔"

بچّوں کو بہت یاد کیا۔ طاہر زیادہ بے چین ہو جاتا ہے۔ طوبیٰ معصوم انتظار کر رہی ہوگی۔ ناصر خود کو سنبھال لیتا ہے۔ مگر طاہر..... میں سلام کرکے ماتھا چوم کے دعا دے کے واپس آنے لگی تو آواز دے کر کہا..... صاحب سے پوچھنا میں نے آخری دن ان کو دعوتِ حق دی تھی۔ کیا سوچا ہے۔ میری خاطر پوچھ لینا میرا نام لے کر پوچھ لینا..... پھر میں نے بشریٰ کی آواز نہیں سُنی۔

۲۰ جولائی سہ پہر ہسپتال سے ڈاکٹر صاحب کا فون آیا۔ آواز میں درد تھا۔

آپ کی بشریٰ ٹھیک ہوگئی تھی۔ آج اُسے چھٹی ہوگئی تھی وہ سب سے ملیں مجھے بھی مُنہ چوم کے پیار کیا۔ سب انہیں بہت پسند کرنے لگے تھے۔ مگر اچھی خبر نہیں ہے۔

"کیوں کیا ہوا" میں چیخ کر بولی۔

وہ خود چل کر سب سے ملیں۔ خود بل پر دستخط کئے۔ تیار ہوئیں۔ میں نے بی پی لیا تھا ٹھیک تھا۔ پھر وہ لفٹ سے نیچے اتریں اور باہر گاڑی کی انتظار میں کھڑی ہوئیں تو بے ہوش ہو گئیں۔

"پھر" ۔۔ ایمر جینسی روم میں ٹیبل پر جب میں نے ان کو دیکھا تو نہ بی پی تھا نہ نبض۔ ۔۔۔ مجھے خود بہت افسوس ہے۔ وہ بہت اچھی تھیں۔ آپ ان کے گھر اطلاع دے دیں۔

اب اپنی کیفیت خود کیا لکھوں جس کو با علم، ہم مذاق، ہم جنون ساتھی کی قریبی رفاقت ملی ہو وہی محسوس کر سکتا ہے کہ یوں اچانک یہ خبر سن کے کیا حال ہو سکتا ہے۔

ہسپتال پہنچی تو ایمبولینس میں ڈالا جا چکا تھا۔ داؤد بھائی اس کے مسکراتے چہرے کو بغیر پلک جھپکے دیکھ رہے تھے اور ضعیف العمر عظیم ماں جس نے جنم دیا تھا، پالا تھا، بیاہا تھا، میاں اور بچوں کے ساتھ خوش باش دیکھا تھا۔ ہسپتال میں خدمت کی تھی۔ آخری لمحوں کی روداد سنا رہی تھیں۔

میں نے اسے کہا تھا آہستہ چلو مگر وہ کہہ رہی تھی میں بالکل ٹھیک ہوں۔ پھر ہم وہاں پول کے پاس چبوترے پر بیٹھے تھے میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا ہوا تھا وہ آہستہ سے نیچے کو کھسکی اور لڑھک کر گر گئی۔ بے ہوش ہو گئی۔ ناخن ہونٹ نیلے کالے ہو گئے۔ میری چیخ سن کر داؤد آ گئے۔ سٹریچر منگوایا اس نے آنکھیں کھولیں میں کہاں ہوں۔ تم میرے پاس ہو میری بچی۔ وہ بولی مجھے جلدی گھر لے جائیں بچے انتظار کر رہے ہوں گے۔ پھر آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے گھر لے جائیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ پھر سٹریچر پر ایمرجینسی روم میں جاتے ہوئے کہا حضور کو فون کرا دیں۔ پھر آنکھیں بند کر لیں پھر ٹیبل پر دو دفعہ آہ آہ کی آواز آئی پھر لمبی سی آواز کھینچ کر اللہ کہا۔ اور اللہ کے حضور حاضر ہو گئی (ہم سب خدا کے ہیں اور اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے)۔

خدا حافظ۔ پیاری بشریٰ اللہ تعالیٰ تم پر اور تمہارے بچوں پر بے پایاں فضل فرمائے۔ ؎

ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلاء ہو
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو

بشریٰ کی رحلت کی خبر آناً فاناً شہر میں بلکہ دنیا کی جماعتوں میں پھیل گئی۔ بیگ صاحب کے گھر آخری دیدار کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ عجیب عالم تھا۔ کون کس سے تعزیت کرتا ہر ایک دکھی تھا۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ سسکیوں کی آوازیں تھیں۔ بشریٰ مقبول ترین لاڈلی سب کی پیاری پرسکون سوئی ہوئی تھی۔ جو کسی کو دکھی نہ دیکھ سکتی تھی۔ سب کو دکھی کر گئی شام تک آنے والوں کے لئے کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہ رہی۔ سڑک تک لوگ کھڑے تھے۔ عورتیں ہی نہیں مرد بھی بشریٰ کو اشکوں کا، دعاؤں کا نذرانہ دے رہے تھے۔ جنازہ احمدیہ ہال میں ہونا تھا۔ اس لئے لوگوں کو وہاں پہنچا دیا گیا۔ احمدیہ ہال نے کسی جنازے میں اتنی رات گئے اس قدر خواتین و احباب نہ دیکھے ہوں گے۔ دروازے کے سامنے بلیک بورڈ پر ۲۰ جولائی ۱۹۹۳ء کی تاریخ کے نیچے بشریٰ داؤد کی رحلت کی خبر درج تھی۔ یہ ہال بشریٰ داؤد کی جاندار آواز سے گونجا کرتا تھا۔

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

بشریٰ داؤد

نعت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

ہے سارے عالم کی بناء، کون و مکاں میں اس کی ثناء، مسجودِ ملائک وہ ہُوا
دونوں جہاں کا شاہنشاہ، نورانی حلقے ہیں ملا، صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
احمدؐ، محمدؐ مصطفٰےؐ تو ہے حبیبِ کبریا، شاہد، مبشّر برملا
وہ پیارا ابنِ آمنہ جس کو فرشتوں نے کہا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
اس کو ہُوا عرفاں عطا، یادِ خدا میں گُم رہا، وہ دینِ حق کا راہنما
قرآن اُس کو مِل گیا، وہ ہو گیا قرآں نما صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
جب ہو گئی جلوہ گری، باطل کی صف اُلٹی گئی، آنے لگی حق کی صدا
دینِ حق زندہ ہُوا یہ تھا دعاؤں کا صِلہ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
ہے ذات اس کی دلرُبا، اسلام اس کا مُدعا، دعوت الی اللہ کر گیا
وہ سب ہی کا تھا رہنما، کامل یہ دین اس سے ہُوا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
طائف کی وادی میں گیا پیغامِ حق پہنچا دیا، ظلم و ستم اُس پر ہُوا
زخمی ہُوا، گھائل ہُوا، پتھروں سے دی جزا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
اس ظُلم پہ بھڑکا خدا، اپنے فرشتوں سے کہا۔ پوچھو کہ ان کو دوں سزا؟
وہ رحمۃٌ للعالمین خود آڑ ان کی بن گیا، میرے خدا یہ حوصلہ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
کوہِ صفا سے دی صدا، آؤ سنو دیکھو ذرا، دشمن کا لشکر آگیا
یہ کہہ کے اُن سے پھر کہا۔ اس بات میں کچھ شک ہے کیا؟ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
بالکل نہیں سب نے کہا، تو سچّا ہے از ابتداء، تو ہے امین دیا و وفا
تیری کسی بھی بات کا۔ ہم کو نہیں لگتا بُرا، کیا ہے تمہارا مدّعا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
فرمایا ہم سب کا خدا، جس نے ہمیں پیدا کیا، خالق ہے ہر اک خلق کا
اس سے ہی رشتہ جوڑ لو، اُس کے ہی در پہ تم جھکو، میرا تمہارا اک خدا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
وہ ہے رؤف دیا و وفا، وہ ہے غفور و دادلرا، وہ خالقِ ارض و سماء
ان میں سے اکثر نے کہا، ہیں تین سو پینسٹھ خدا۔ اپنے، تُرا واحد خدا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
اُن کے لئے تڑپا دُکھا، ہر آن تھا محوِ دُعا، قلبوں کے در کھولے خدا
پھر تیرگی چھٹتی گئی، وحدانیت آنے لگی، ملنے لگی راہِ ہدیٰ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
مُردوں کو زندہ کر دیا، اخلاق اور کردار میں اللہ نے اعلیٰ کر دیا
حیوان سے انسان بنے، انسان بھی جو باخدا، اللہ کو ہے حمد و ثناء صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

جرأت سے، استقلال سے، وہ ہادیٔ خیر الانبیاء، یٰسین، مدثر، طٰہٰ
شاہِ جہانِ انبیاء، روحانیت کی انتہا، جود و سخا کا منتہیٰ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
تھا خلق جس کا بے بہا، وہ ذات پاک و مہ لقا، کردار میں صدق و صفا
وہ پہلے امام الانبیاء، ہر بات اس کی دلربا، انسانیت کا منتہیٰ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
اس کی عنا جود و سخا، ہے لطف جس کا بے بہا، رحمت ہے اس کی ہر جگہ
آئینۂ ربّ الوریٰ، نشست گاہ تختِ خدا، اعزاز اس کو ہی ملا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
دُنیا کو اک کلمہ ملا

صورت حسین و دلربا، سیرت میں ثانی نہ ملا، قاب قوسین او ادنیٰ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
وہ عکس شانِ کبریا، اوصاف میں وہ حق نما، حکم و عدل کا بادشاہ
وہ عظمتوں کا دیوتا، رفعت ہے تا حدِ نگاہ، ہے سب میں شامل پر جدا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
وہ شاہ بھی فقیر بھی، وہ سادہ بھی رعنا بھی، بھتی بھوک میں بھی اِک ادا
ہر حال میں حمد و ثنا، وہ راستہ دکھلا گیا رحمت کی ہے آماجگاہ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
عالم بھی وہ اُمّی بھی وہ، کوثر عطا اس کو ہوا، سیراب سب کو کر دیا
کیا شاہ مفلس کیا گدا، اس در کے سب محتاج ہیں، قربان میں تجھ پر سدا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
اے میرے پیارے خدا۔ برکات ہوں اس پر سدا، اس پہ درود ہو ترا
بارش کے قطروں کی طرح، سورج کی کرنوں کی طرح صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
اے میرے پیارے دلبرا، مَیں بھی ہوں تیرا گدا، مِل جائے بخشش کی ردا
مجھکو بھی کر دے عطا، اپنے کرم کا آسرا۔ تو ہی رحیم و باوفا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
تیرا کرم ہے کبریا۔ گرویدہ مجھکو کر دیا۔ اپنے رسولِ پاکؐ کا
مجھ بے کس و نادار کا، رحمت سے ناطہ ہو گیا، کیونکر کروں شکر و ثناء صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
مجھکو خزینہ مل گیا، حُبِّ رسولِ پاکؐ کا، کشکول خالی تھا مرا
نورانیت سے بھر دیا۔ احسان ہے سارا ترا، بس میں مرے کچھ بھی نہ تھا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
تجھ کو ترے محبوب کا، دیتی ہوں مولا واسطہ، کر دے کرم کی انتہا
یہ ہے فقیروں کی صدا، جاری رہے تیری عطا، اے ذاتِ باری کبریا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
نسلوں کو بھی کر دے عطا، خدمتِ دین کا مزا، در کے ترے وہ ہوں گدا
ہو فضل ان پر بھی ترا تو ہی ہو ان کا آسرا میں ہوں غریب و بے نوا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
خواہش ہے میری اک یہی، بس پیار تیرا ہی ملے، تو میرے دل میں آ بسے
قربت تری مجھکو ملے۔ آمین اے ربّ الوریٰ آمین ذاتِ کبریا۔ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

محترمہ نُور جہاں صاحبہ

یہ مضمون محترمہ بشریٰ نے میرے اصرار پر لکھا تھا۔ وعدہ یہ تھا کہ میں مرتب کر لوں گی
——— بشریٰ کی امّی ایسی خاموش مجاہدہ ہیں کہ حضور ایدہ الودود نے
تعزیتی بیان میں فرمایا کہ معلوم نہیں وہ حیات بھی ہیں یا نہیں۔ (امۃ الباری ناصر)

محترمہ نور جہاں صاحبہ بنت حضرت حکیم عبدالصمد صاحب دہلوی (رفیق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ) اہلیہ مکرم مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب کراچی ہیں۔

آپ یو پی کے معزز گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ بچپن میں والدہ محترمہ حضرت شادمانی بیگم صاحبہ رفیقہ حضرت بانی سلسلہ کی وفات کے بعد میرٹھ سے قادیان اپنے خاندان کے ساتھ آگئیں۔

شادی مکرم مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب کراچی ابن مکرم محترم عبدالحکیم صاحب کے ہاں ہوئی۔ تہذیب و تمدّن کے فرق کے باوجود انتہائی وفا کے ساتھ زندگی گزاری۔

شادی کے وقت ابا جان میٹرک پاس تھے۔ لیکن چوتھی بچّی کی پیدائش کے بعد امّی کی توجہ دلانے پر دوبارہ پڑھائی شروع کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بی اے ایل ایل بی کیا۔ لیکن پریکٹس دیر سے شروع کی۔

زندگی کا سب سے اہم واقعہ تقسیم ہندوپاکستان کے وقت پیش آیا۔ جب حضرت فضل عمر کی تحریک پر کہ "خدام مرکز کی حفاظت کے لئے قادیان جائیں"۔ ابا جان نے اپنا نام بھی پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ پہلا قافلہ جو روانہ ہوا اس کے امیر مقرر ہوئے۔ جب اپنے والد صاحب سے اجازت طلب کی تو وہ چونکہ پورے خاندان میں تنہا احمدی تھے۔ ساری زندگی خدا تعالیٰ کی خاطر قربانیاں دیتے گزری تھی اور اولاد کو بھی اس کی تلقین کرتے رہے تھے۔ لیکن شاید پدری محبت نے خود اجازت دینے کی بجائے رُخ امی کی طرف موڑ دیا۔ کہ تم اپنی بیوی سے پوچھ لو۔ ان کا خیال تھا کہ عورتیں کم حوصلہ ہوتی ہیں اور یہ وقت تو تھا ہی ایسا کہ ہر طرف موت اور وحشت و خوف کا بازار گرم تھا۔ اور ابھی شادی کو بھی کم عرصہ گزرا تھا۔

جب امّی سے ابا جان نے پوچھا تو انہوں نے کہا ضرور جائیں۔ اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔ اس پر ابا جی (دادا جان) نے ابّا جان کے جانے کے بعد کہا کہ میں تو سمجھتا تھا کہ تم منع کرو گی۔ کیا حالات کا بھی تم کو اندازہ نہ تھا۔

امی بتاتی ہیں کہ دُعا تو میں کرتی ہی تھی۔ لیکن اس بات کے بعد تو میں نے اپنے مولا کے دامن کو تھام

لیا کہ خدایا ان کا بڑا بیٹا ہے۔ اور اماں جی (دادی جان) احمدی نہیں ہیں۔ اگر کچھ ہوا تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ میں نے تو خود ہی آگ اور خون کے حوالے کر دیا۔ ابّا جان بتاتے ہیں کہ جب وہ واپس آئے تو امّی صحت کے لحاظ سے بہت کمزور تھیں۔

دین کے لئے غیرت: ہمارے معاشرے میں جیسا کہ بچیوں کی پیدائش پر کچھ افسردگی کا احساس ہوتا ہے اسی طرح تین بہنوں کے بعد چوتھی بچی کے وقت گمان تھا کہ پھر لڑکی نہ پیدا ہو جائے۔ کیونکہ ابھی بیٹا نہیں تھا۔ چونکہ ابّا جی (دادا جان) اپنے خاندان میں تنہا احمدی تھے اور اماں جی (دادی جان) ابھی احمدی نہیں ہوئیں تھیں۔ لیکن اپنے خاندان سے وہ بھی بہت مختلف تھیں۔

لیکن غیر از جماعت افراد خاندان کی خواتین بضد تھیں کہ منّت مانی جائے۔ اور جب بیٹا پیدا ہو جائے تو ابّا جی سے چھپ کر اس منّت کو ادا کر دیا جائے۔ آخر امّی کو بتائے بغیر خود ہی ان لوگوں نے منت مان لی۔ مزار پر بھی (عبداللہ شاہ غازی) اور نانا بیر کی بھی جب وہاں سے جو چیزیں ملیں تو امّی کو کہا گیا کہ یہ تم کھا لو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ لیکن امّی بتاتی ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ اور کمرے میں آ کر یوں لگا جیسے میرا دم نکل جائے گا۔ پھر جب حالت سنبھلی تو بے اختیار خدا کے حضور خوف سے روتی جاتی تھیں کہ میرے مولا میرے ایمان کو بچالے۔ اور اب اگر تُو نے بیٹا دینا بھی ہے تو نہ دے۔ بیٹی ہی دے میں صبر اور شکر سے اس کو قبول کروں گی۔ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ اگر بیٹا ہو گیا تو زندگی کے کسی لمحے یہ گمان نہ کر لوں کہ شاید منت کی وجہ سے ہے۔ اور اللہ کا بے پناہ شکر ہے کہ اُس نے بیٹی دی۔ اور میرا ایمان بچ گیا۔

جب ہم بڑے ہوئے اور شادیوں کا وقت آیا تو بعض خواتین نے امّی کو مشورہ دیا کہ اب آپ اپنا یہ گھر بدل لیں۔ کوئی اچھا بڑا گھر لیں۔ ورنہ بچّیوں کے اچھے رشتے نہیں آئیں گے۔ یہ تو صرف دو کمروں کا گھر ہے۔ اپنا STATUS بدلیں۔

امّی نے ابّا جان سے بات کی۔ تو ابا جان نے بھی یہی بات بتائی کہ چند دوستوں نے بھی ایسی ہی بات کی ہے۔ پھر امّی سے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے۔ امّی نے کہا کہ میں تو سمجھتی ہوں کہ رشتے خدا کے فضل سے ہوتے ہیں ظاہری چیزوں کی تو کوئی حقیقت نہیں اور نہ ہی ہم ظاہری چیزوں کے متمنی ہیں۔ صرف نیک، متقی، دین سے محبت کرنے والے نظام سے وابستہ لڑکے ہوں۔ محنتی، رزق تو خدا تعالیٰ ہی دے گا۔ ابّا جان نے کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ خدا پر بھروسہ رکھو۔

یہ ان کا توکل ہی تھا کہ سب بہنوں کی شادی اللہ تعالیٰ کے فضل سے نیک متقی خاندانوں میں ہو گئی۔ اور سب اپنے گھروں میں خوش ہیں۔ دُنیا کی بے شمار نعماء بھی ملیں اور دعاؤں کے نتیجے میں بہو بھی خوبصورت خوب سیرت، خدمت گزار ہے۔

ابّا جان شادی کے بعد بھی والدین کے ساتھ تھے اور مشترکہ خاندان میں جیسے خرچ اور آمدنی گھر کے بزرگ ہی چلاتے ہیں۔ اماں جی کو ہی ابّا جان تنخواہ دیتے تھے پھر جب امّی نیچے کے گھر میں منتقل ہو گئیں تب بھی اسی طرح نظام چلتا رہا۔ ابا جان امّی کو کبھی کہتے کہ آپ کو پیسوں کی ضرورت ہو تو اماں سے لے لیا کریں تو امّی کا ایک ہی جواب ہوتا۔ بیگ صاحب آپ فکر نہ کریں میرا

تو ہر ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ اور اگر مانگنا ہی ٹھہرا تو کیوں نہ اپنے مولا سے مانگوں۔

سادگی اور قناعت سے ساری زندگی گزارہ کیا۔ گرمیوں میں دو جوڑے ابّا جان کے لئے بنتے تھے۔ چونکہ سفید ہوتے اس لئے اگلے موسم میں وہ اتنے اجلے بھی نہ رہتے اور کچھ بوسیدہ بھی ہو جاتے اس لئے امی ان کرتوں کو گھر میں خود رنگ لیتیں۔ وہ امی کے نئے کپڑے ہوتے جسے دیکھ کر کئی بار کہا جاتا کہ یہ تو ہر موسم میں نئے کرتے بنا لیتی ہے۔ نہ تو کبھی تردید کی اور نہ بتایا کہ کیا راز ہے۔ بڑے بچوں کے کپڑے چھوٹوں کے اور چھوٹوں کے ان سے چھوٹوں کے کام آجاتے۔ پرانی شلواروں کو اکثر الٹ لیتی تھیں۔ پائنچے تو ہمیشہ ہی ادھیڑ کر نئے بنائے جاتے تھے۔ اور وہ شلواریں جن کے رنگ بھی خراب ہو جاتے تھے۔ ان کو دوبارہ ادھیڑ کر اور کندوں کو ربڑ سے جوڑ کر پھر سادہ کپڑا بنا لیا۔ انہیں رنگ کر رضائیوں کی گوتیں اور دلائیوں کی گوتیں بن جاتیں اور پرانے دوپٹے پرانی ململوں کے استروں کے ساتھ درمیان کا حصہ تیار ہو جاتا۔ تو سردیوں میں نئی رضائیاں اور دلائیاں بن جاتیں۔ قمیض کے دامن ہمیشہ مضبوط رہتے ہیں۔ اس لئے ان سے چھوٹے بچوں کے کپڑے یا پلین کپڑا ہے تو تکیوں کے کور چھوٹی میزوں کے کور بنا لئے جاتے۔

ہلکے رنگوں کے کپڑے اور دوپٹے آہستہ آہستہ گہرے سے گہرے تر رنگوں میں بدل جاتے تھے۔ پرانے سوئیٹر ادھیڑتے اور پھر یا تو رنگ کر یا پھر اون ملا کر دوبارہ نئے تیار ہو جاتے۔ جو اون بالکل بے کار ہو جاتی اس سے ٹاٹ پر ڈیزائن بنا کر گھر میں فرشی قالین تیار ہو جاتا۔ اسی طرح کھانے کی چیزوں میں بھی کبھی کوئی چیز ضائع ہوتی نہ دیکھی۔ حتیٰ کہ لیموں کے موسم میں بھی سلاد میں لیموں استعمال کے بعد اس کے چھلکے یا تو نمک لگا کر بوتل میں ڈال دیئے جاتے یا پھر انہیں سرکے میں ڈبو دیا جاتا تھا۔ اسی میں ادرک، ہری مرچ، کلونجی وغیرہ ڈل جاتی۔ وہی چھلکے بعد میں پیاز کے ساتھ مچھلی میں مسالحہ لگائے قیمے کے کبابوں میں استعمال ہوتے۔

ہرے دھنیے کی موٹی ڈنڈیاں چٹنی میں اور پتے سالن میں۔ کدو کے موٹے چھلکے چنے کی دال یا صرف مسالے میں پک جاتے اور کدو الگ۔ اسی طرح گوبھی کے پھول الگ یا پھر اس کی ڈنڈیاں پہلے گلا لینیں اور پھول بعد میں دم پر ڈال دیتیں۔ گویا ہمارے گھر میں ہر چیز کا استعمال موجود تھا۔ بچے ہوئے کھانوں کی شکلیں بدل کر دوبارہ کھا لیا جاتا۔

ابّا جان کا حلقۂ احباب بھی وسیع ہے اور اکثر و بیشتر دعوت کا اہتمام ہوتا۔ یہ دعوتیں آجکل کی طرح کی پر تکلف دعوتیں نہ تھیں ان میں بھی سادگی اور سلیقہ نمایاں تھا۔ لیکن جتنے افراد بتائے جاتے اکثر ان سے دگنے ہی ہو جاتے بعض اوقات اس سے بھی بڑھ جاتے۔ اور امی جان کا درود شریف پڑھ پڑھ کر دم کرنا اسی کھانے میں برکت ڈال دیتا جو سب کو ہی پورا ہوتا تھا۔ بعد میں چھوٹے بچوں کو تو کچھ مل جاتا لیکن ہم بڑے امی کے ساتھ بچی ہوئی سلاد چٹنی وغیرہ کے ساتھ بڑی خوشی کے ساتھ کھا لیتے۔ کبھی احساس ہی نہیں ہوا کہ ہم نے ان چیزوں میں سے نہیں کھایا۔

اسی طرح شاید ہی کوئی دن ہوتا کہ ہمارے ہاں ناشتہ، دوپہر کے کھانے، شام اور رات کو کوئی مہمان

ہمارے ساتھ شامل نہ ہو۔ کمال برکت تھی جو اسی مہینے کے راشن میں دکھائی دیتی تھی۔

ابا جان کی صحت شروع سے ہی کمزور رہی ہے۔ امی جان ان کے لئے الگ کھانے کا انتظام کرتی تھیں۔ لیکن کبھی کسی بچے نے اس میں سے لے لیا تو ان کے سمجھانے کا طریق یہ تھا کہ دیکھو تمہارے ابا جان صبح سے رات تک کام کرتے ہیں۔ یہ اُن کے لئے ہے۔

سال میں دو جوڑے عید الفطر پر بنتے تھے۔ جوتا وہی اسکول والا۔ یہی کپڑے جوتے ہر تقریب میں بڑی شان سے پہنتے۔ اسکول کی کاپیاں کتابیں کبھی خراب نہیں کیں۔ پرانے کورس خود گھر میں امی جان جوڑ کر سی کر جلدیں درست کر کے کور چڑھا کر دے دیتیں۔ کاپیاں لے کر ان کے ہر پیج پر نمبر لگواتیں۔ کتاب یا کاپی پھاڑنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پنسل ایک ملتی اور صبح یا تو خود تراش کر دیتیں یا پھر جب بڑے ہو گئے تو چھوٹوں کا یہ کام ہمارے ذمے لگ گیا۔ ربڑ، فٹ وغیرہ کبھی نہیں توڑے نہ ضائع ہوئے۔ اگر گم ہو جاتے یا ٹوٹ جاتے تو پھر ان کا حساب دینا پڑتا۔ بڑے پیار سے سمجھاتیں دیکھو بچو ان چیزوں کا خدا تعالیٰ حساب لیتا ہے۔ یہ ساری نعمتیں اس نے تم کو اس لئے نہیں دیں کہ خود ہی استعمال کرو بلکہ اس میں دوسروں کا بھی حصہ ہے۔ اگر ضائع کر دیں تو ان کو کیسے دو گے۔ اس لئے ان کی قدر و قیمت کا احساس کرو۔ کاپیاں پنسلیں، پن، ربڑ، فٹے وغیرہ سال کے شروع میں ابا جان اکٹھی ہول سیل سے لے کر آتے۔ اور کاپی بھرنے کے بعد امی چیک کر کے دوسری کاپی دے دیتیں۔

سال ختم ہونے پر پرانی کاپیوں کے سادے کاغذ نکال لئے جاتے اور ان کو جوڑ کر الگ کاپیاں بنائی جاتیں۔ جو رف کاپی یا اپنی یادداشتیں، معلومات، اچھے اشعار سبق آموز تحریریں، اقوال وغیرہ کے لئے بطور ڈائری استعمال ہوتی۔ یہی موٹی سی کاپیاں جماعتی کلاسز کے نوٹس کے کام آتیں جو آج بھی کوئی کوئی موجود ہے۔

ہمارے بچپن میں بھی اور آج بھی ابا جان کی مصروفیت وہی ہے۔ لیکن اب تو دوپہر میں گھر آجاتے ہیں جبکہ بچپن میں کئی کئی دن ہو جاتے تھے ابا جان نظر نہیں آتے تھے۔ ہمارے اٹھنے سے پہلے چلے جاتے اور سونے کے بعد آتے۔

امی صبح اذان کے وقت اٹھا دیتی تھیں۔ اور اس وقت تک امی کپڑے دھو چکی ہوتیں۔ سب بچے وقت پہ نماز ادا کرتے۔ پھر قرآن پاک پڑھتے پھر ناشتہ ملتا۔ اس میں رد و بدل کا امکان کم ہی تھا۔ اسی طرح نمازوں کی بر وقت ادائیگی نہ کرنے پر سختی بھی ہوتی۔ اس پر معافی ممکن نہ تھی۔ دوپہر میں اسکول کے بعد تھوڑی دیر سلا دیتیں اور شام کو رات کھانے تک اسکول کی پڑھائی مکمل کر لیتے رات کھانے کے بعد عموماً دینی باتوں کا پروگرام ہوتا۔ کبھی بیت بازی۔ کبھی سوال و جواب۔ رات سوتے ہوئے امی کے ساتھ لیٹے لیٹے نماز، نماز با ترجمہ۔ دعائیں نظمیں وغیرہ باری باری سُنا دیتے۔ پھر دُعائیں دہرا کر سونے کی تلقین کرتیں۔

چھٹیوں کا پروگرام ذرا مختلف ہو جاتا۔ صبح سے دوپہر تک اسکول کا کام۔ شام کو کوئی مشغلہ، مٹی کے برتن، فروٹ، کھلونے وغیرہ۔ گڑیا کی شادی کی تیاریاں۔ رات کو وہی دینی پروگرام حضرت بانی سلسلہ کی کتب شروع ہوتیں باری باری اس کے چند صفحے سنائے جاتے۔ امی جو بات سمجھ میں نہیں آتی وہ بتاتیں اور اردو بھی درست ہوتی اور مشکل الفاظ بھی سمجھ میں آتے، معلومات بھی بڑھ جاتیں، احادیث قرآن پاک کی سورتیں بھی باری باری دہرائی جاتیں۔ چھوٹے بچوں

کو سیرت کی کہانیاں، بزرگوں کے ایمان افروز واقعات، جرنیلوں کی باتیں وغیرہ بھی بتائی جاتیں اور رات کو امی کا معمول تھا کہ قرآن پاک کی تلاوت کرتیں اور سب بچے پاس ہی لیٹے ہوتے۔ اکثر سورتیں اسی طرح سن سن کر ہی یاد ہو گئیں۔ بچپن میں اکثر ہی قرآن پاک سنتے سنتے سو جانا ہماری خوش قسمتی تھی۔ سب بچوں کو قرآن پاک امّی نے ہی پڑھایا سوائے باسط کے اس کے چند پارے رہ گئے تھے وہ قابو نہیں آتا تھا۔ پھر استانی جی نے مکمّل کروایا۔

امّی کو فارغ اوقات میں جو بہت ہی کم ہوا کرتے تھے۔ قرآن پاک ٹہل ٹہل کر پڑھتے دیکھا۔ یا پھر دعائیں اور نفل پڑھتے۔ (مہمانوں کی کثرت کے باوجود امّی کی کوشش ہوتی کہ پروگرام کے مطابق ہی دن رات بسر ہوں)۔

ابّا جان جب خدام الاحمدیہ کے قائد تھے تو بعض اوقات رات بھی گھر نہیں آتے تھے۔ اس وقت جب آنکھ کھلتی اور ابّا جان کا پوچھتے تو جواب ملتا۔ کام سے گئے ہیں ابھی نہیں آئے۔ دعا کر و سو جاؤ۔ اور خود نفل پڑھ رہی ہوتیں۔ یہ امّی کے پسندیدہ مشاغل میں سے تھے۔ امتحان کے دنوں میں تو جب تک ہمارا پرچہ ہوتا۔ امّی بات کم ہی کرتیں۔ اکثر انہیں دم کرتے دیکھا۔ بیماریوں میں بھی یہی حالت تھی۔

ابّا جان کی قیادت کے زمانے میں جب پوسٹر لگا کرتے شہر میں تو ساری رات لئی پکتی اور خدام آ کر خالی دیگچیاں دے نیا تیار کیا ہوا لے جاتے۔ گھر کے جتنوں کے برتن، اسٹول وغیرہ سب ہی استعمال میں ہوتے اور کہیں مسئلہ ہوا تو کبھی دیگچے غائب۔ اسٹول ندارد اور برتن تو کبھی واپس نہ آئے۔ جب لئی کا کام ختم ہو جاتا تو صبح کے ناشتہ کی تیاری جس میں آلو کی بھجیا۔ پراٹھے یا گھی کی روٹی۔ کبھی انڈوں کا انڈے۔ یا شاذ کے طور پر قیمہ ہوتا جو رات کام کرنے والے خدام کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ اس میں ملائی اور دہی بھی شامل تھی۔

ہمارے ہاں دودھ کی کثرت، دہی انڈے، گھی وغیرہ چونکہ ابا جی (دادا جان) خود گائے، مرغیاں پالتے تھے اور یہ سب انہوں نے بچوں کے لئے ہی کیا تھا۔ اس لئے اس کی کبھی کمی نہیں ہوئی۔ ایک بات بڑی انوکھی تھی۔ اگر کبھی ابا جان کو غصہ آ جاتا تو وہ ٹہل ٹہل کر بات کرتے۔ امّی جان باورچی خانے میں ہوتیں تو دروازہ بھیڑ لیتی تھیں کہ جب میں نظر نہیں آؤں گی" تو غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اگر ہم میں سے کوئی کہتا کہ امّی آپ ابّا جان کو بتائیں کہ یہ بات ایسے نہیں ہے تو فوراً کہہ دیتیں۔ بچے پہلے وہ پریشان ہیں۔ میں اور انہیں دکھ دوں۔ ان کے پاس ان بے کار باتوں کا وقت نہیں ہے۔ انہیں کام کرنے دو۔

جب زیادہ غصّہ ہوتا تو امّی کھانا سامنے رکھتیں تو ابّا جان کہتے کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔ بڑے پیار سے کہتیں بیگ صاحب اس کھانے سے کیا ناراضگی۔ آپ کا بلڈ پریشر لو رہتا ہے کھانا کھا لیں۔

میری شادی کے بعد امّی نے کہا کہ بچے بشریٰ دیکھو گھروں میں مسائل تو ہو جاتے ہیں۔ عورتوں کے پاس بیکار وقت ہوتا ہے تو ایسی باتیں ہو جاتی ہیں لیکن کبھی گھریلو مسائل اور جھگڑے ڈاکٹر کو نہ بتانا۔ انہیں باہر کے بہت کام اور پریشانیاں ہوتی ہیں۔ اس طرح مرد کی عمر کم ہو جاتی ہے۔ عورتیں تو ادھر ادھر بیٹھ کر باتیں کر لیتی ہیں۔ لیکن مرد اپنے دل پر بوجھ رکھ لیتے ہیں۔ ویسے

امی جان نے کبھی خاندانی مسئلہ پر بچوں کو بولنے نہ دیا۔ اور نہ ہی ایسی باتیں بچوں کے سامنے کرتیں۔ کہتیں ہیں کہ ذہن خراب ہوجاتے ہیں اور عاقبت بگڑ جاتی ہے۔ امی جان عادتاً ہاتھ سے کام کرتی رہتیں اور زبان سے دعائیں۔ آیات یا پھر حضرت بانی سلسلہ کے اشعار پڑھتی رہتی ہیں اکثر وہ "اک نہ اک دن پیش ہوگا تو خدا کے سامنے" والی نظم پڑھتیں۔ اور جب ان اشعار پر پہنچتیں کہ ؎

بارگاہِ ایزدی سے تو نہ یوں مایوس ہو
مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کشا کے سامنے
حاجتیں پوری کریں گے کیا تری عاجز بشر
کر بیاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے

تو ان کی آنکھوں سے جھڑی لگی ہوتی اور بار بار دہراتی چلی جاتیں۔

اسی طرح " اقبال کو بڑھانا۔ اب فضل لے کے آنا ہر رنج سے بچانا، دکھ درد سے چھڑانا، خود میرے کام کرنا یارب نہ آزمانا۔ یہ مصرعہ اتنا پڑھتیں کہ مجھے لگتا جیسے امی کا کوئی کام بھی ایسا نہیں بچے گا جو خدا نہ کر دے۔ اور حقیقتاً ہوا بھی ایسے ہی۔ اب بھی یونہی ہوتا ہے کہ وسائل نہ ہونے کے باوجود ان کے کام نہیں رکتے۔ اور فرشتوں کی مدد سے ہو جاتے ہیں۔

امی میں صبر، حوصلہ، تحمّل، بردباری بہت ہے۔ اور خدا کی ذات پر توکل بے انتہا۔ کہتی ہیں کہ مجھے اپنے وجود پر بھی اتنا اعتبار نہیں جتنا اپنے مولا کے فضلوں اور رحمتوں پر ہے۔

سخت محنتی تھیں کہ شدید بیماریوں میں بھی جب تک چل سکتی تھیں کام جاری رہتا۔ اور ان بیماریوں میں ابّا جان کے معمولات میں شاذ ہی فرق آیا ہو۔ ہمیشہ کہہ دیتیں کہ میری فکر نہ کریں۔ ٹھیک ہو جاؤں گی۔ آپ اپنے کام سے جائیں۔

ایک بار ایسا ہوا کہ ڈاکٹر محمودہ نذیر صاحبہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا قرب عطا فرمائے۔ ڈاکٹر کو آپریشن کے لئے ابّا جان کے دستخط کی ضرورت پڑی اور ابّا جان انتہائی تلاش کے باوجود نہ مل سکے۔ ڈاکٹر نے امی کی سائن لی۔ کئی بار تلاش ہوتی تو کسی میٹنگ میں مصروف ہوتے۔ ڈاکٹر صاحب نے ابّا جان سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی بیوی کی کیا حالت ہے پھر بھی غائب ہو جاتے ہیں۔ کہنے لگے آپ میرا انتظار نہ کیا کریں جو کام کرنا ہو کر لیں۔ میں جس کام میں مصروف ہوں اس کی زیادہ اہمیت ہے (یہ ابّا جان کی قیادت کا زمانہ تھا) میرے یہاں موجود رہنے سے تو کچھ نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ خود فضل فرمائے گا۔

امی کو ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ہے۔ ہر چیز گھر میں ہی بنانے کا شوق ہے۔ کتنے ہی مہمان ہوں، روٹی گھر پر ہی پکتی تھی۔ کبھی درزی سے نہ سلایا۔

بقیہ صفحہ ۲۱

اسی ہال سے اس دلہن کی ڈولی رخصت ہو رہی تھی، سٹیل ٹاؤن کے شہرِ خموشاں کے لئے ؏

اے خدا بر تربتِ او ابرِ رحمت ہا بیار

(امۃ الباری ناصر - کراچی)

بشریٰ کی یاد میں

خدا کا خاص احسان تھا رفاقت بشریٰ حوری کی
ادھورے ہوگا مشکل سے گذارا وہ نہیں ہوگی

وہ واپس آ نہیں سکتی مگر یہ مان لوں کیسے؟
کہ جب ہوگا کہیں سیرت کا جلسہ وہ نہیں ہوگی

ستاروں کی طرح چمکے گی وہ تاریخِ عالم میں
رہے گا خوبیوں کا اس کی چرچا وہ نہیں ہوگی

دُعا ہے اُس کے بچے دین دُنیا میں پھلیں پھولیں
مگر جس ماں نے پیدا کرکے پالا وہ نہیں ہوگی

بہاروں میں کھلیں گے پھول، پھل آئیں گے باغوں میں
مگر ہاتھوں نے جس کے بیج ڈالا وہ نہیں ہوگی

دُعا تھی، حوصلہ تھی اور سکینت اپنے شوہر کی
لگے گی ان کو خالی ساری دُنیا وہ نہیں ہوگی

جہاں پہ آنکھ کھولی تھی وہیں لیں آخری سانسیں
بہت تڑپے گی اس کی ماں کی ممتا وہ نہیں ہوگی

وہ اپنے باپ کی دمساز تھی، ہمدم تھی، طاقت تھی
ضعیفی میں یہ غم کیسے کٹے گا وہ نہیں ہوگی

چلیں گے کام سب لجنہ کے پہلے سے کہیں بہتر
مگر بنیاد میں جس کا لہو تھا وہ نہیں ہوگی

رہیں گی رہتی دنیا تک کتابیں یادگار اس کی
مگر جس نے کہ سوچا اور لکھا تھا وہ نہیں ہوگی

ابھی تکمیل کی راہوں میں تھے کتنے ہی منصوبے
خدا کھولے گا کوئی اور رستہ وہ نہیں ہوگی

میری آنکھیں چمک اُٹھتی تھیں اس کو سامنے پا کر
نظر آئے گا ہر مانوس چہرہ، وہ نہیں ہوگی

کیا کرتے تھے ہم اِک دوسرے سے دل کی سب باتیں
کسی سے اب نہیں کچھ کہنا سننا، وہ نہیں ہوگی

ہماری طرح کم ہوگا کوئی یک جان و یک قالب
بھری دنیا میں رہنا ہوگا تنہا وہ نہیں ہوگی

حقیقت میں بقا تو وجہِ ربّ لم یزل کو ہے
رہے گا "کُلّ مَن علیہا فان" زندہ وہ نہیں ہوگی

وہ رخصت ہوگئی دنیا سے جو دکھ سکھ کی ساتھی تھی
خود ہی اب رو کے آنسو پونچھ لینا وہ نہیں ہوگی

امۃ الباری ناصر

داؤد احمد قریشی

من تو شدم تو من شدی

عزیزہ بہن! میں آپ کے اصرار پر بھی آپ کے دیئے ہوئے موضوع پر قلم نہ اُٹھاتا کیونکہ میرے لئے ممکن ہی نہیں کہ تقریباً بیس سال کی بھرپور پیار بھری ازدواجی زندگی اور اب یکسر تنہائی اور محرومی کے شدید تکلیف دہ جذبات کے متعلق کچھ لکھ سکوں۔ مگر اب جو کچھ لکھنے پر آمادہ ہُوا ہوں تو اس خیال سے کہ اپنے مولا کے حضور حاضر ہو جانے والی رُوح کے متعلق بحیثیت بیوی کے میرے علاوہ اور کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔ چنانچہ میں اپنے سادہ سے الفاظ میں اس پہلو سے آپ کو کچھ نہ کچھ بتانے کی کوشش کرتا ہوں۔

بشریٰ اپنے دادا جان کو اباجی کہتی تھیں ان سے بہت پیار تھا۔ اپنی بچپن کی شوخیوں کا ذکر کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ جس دن اباجی فوت ہوئے اس دن سے تمام شوخیاں رخصت ہوگئیں۔ بشریٰ اکثر اباجی کو خواب میں دیکھتی۔ ایران میں تو ان کی آہٹ اور کپڑوں کی سرسراہٹ تک محسوس کرتی تھیں۔ انہیں کے ذریعے اللہ پاک بشریٰ کو مشکل حالات میں تسلّی دیتا تھا۔ جب ہماری شادی سے پہلے بشریٰ نے انہیں خواب میں دیکھا وہ ایک باغ میں کھڑے تھے۔ انہوں نے بشریٰ کو ایک پھول توڑ کر دیا۔ بشریٰ نے کہا اباجی یہ پھول تو اتنا اچھا نہیں ہے۔ مجھے اس سے اچھا پھول چاہیئے۔ جس پر انہوں نے کہا بیٹا یہ باغ کا سب سے اچھا پھول ہے۔ بشریٰ نے دُور سے ایک پھول کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ دیکھیں وہ کتنا اچھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ چلو چل کر دیکھتے ہیں۔ نزدیک جا کر دیکھا تو ان کا دیا ہُوا پھول اُس سے بہتر تھا۔ اس پر بشریٰ نے کسی اور پھول کی طرف اشارہ کیا وہ پھول بھی نزدیک جانے پر اتنا اچھا نہ نکلا جس سے بشریٰ کو اطمینان ہوگیا کہ واقعی جو پھول اسے دیا گیا ہے وہ باغ کا سب سے اچھا پھول ہے۔

ایک دفعہ بشریٰ کو خواب میں بتایا کہ تمہاری شادی سمیع سے ہوگئی ہے (یعنی اس کی صفت بات سننے اور ماننے والے کی طرح ہوگی)۔ اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، کہ ہم نے زندگی بھر کبھی ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کی۔ بشریٰ کو اللہ پاک پر بے انتہا توکل تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے عشق تھا۔ میں اس کی پرانی ڈائریاں دیکھ رہا تھا۔ سنہ ۱۹۶۰ء کی ڈائری میں بھی سیرت کے مضامین ہیں۔ حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع کی جدائی، وطن سے دُوری اُس پر شاق تھی۔

جب کبھی بہت سی باتیں جمع ہو جاتیں۔ حضور کو خط لکھنے بیٹھ جاتی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھتی کہ حضور آپ میرے لئے دُعا کر دیں۔ جواب دینے کی زحمت نہ کریں آپ کی مصروفیات بہت قیمتی ہیں خطوط میں اکثر پریشان

ہوتے کے باوجود پریشانیوں کا ذکر نہ کرتی کہ آقا کو صرف خوشکن باتیں لکھنی چاہئیں۔ اُس کی ڈائریوں سے رسیدیں ملی ہیں جن سے علم ہوا کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے دادا جان اور خاکسار کی طرف سے از خود چندہ دیا کرتی تھی۔ چندہ دے کر کسی کو بتاتی نہ تھی۔ معمولی سے معمولی کام ہو یا بڑے سے بڑا وہ صرف اپنے مولا کریم کا دروازہ کھٹکھٹاتی۔ اپنے پیاروں کو بھی اپنی ضروریات کے متعلق ہوا نہ لگنے دیتی۔ حتّٰی کہ دُعا کے لئے بھی اس ڈر سے نہ کہتی کہ مبادا اس کے انداز سے کچھ ظاہر نہ ہو جائے اور کوئی مدد کے لئے اشارہ نہ سمجھے۔ صرف رات ہی کو نہیں دن کو بھی طویل سجدے کرتی۔ کسی کو مدد کی ضرورت ہوتی تو بے چین ہو جاتی۔ دُعائیں کرتی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا کر دیتا کہ مدد کر سکے۔ اپنی ذات پر کبھی خرچ نہ کرتی جبکہ دوسروں کے لئے عزیز سے عزیز چیز آسانی سے تحفہ دے دیتی۔

ایران سے جب پاکستان آتی تھیں تو پہلے میرے امی ابو کے گھر جاتی تھیں۔ حالانکہ میرا دل چاہتا تھا کہ پہلے اپنے امّی ابا جان کے گھر جا کر ملے وہ لوگ کتنے منتظر ہوں گے اور فطری طور پر بشریٰ کو وہاں زیادہ سکون ملے گا۔ مگر وہ پہلے سسرال جاتی۔ اسی طرح کوئی چیز بھی اپنے ماں باپ یا بھائی بہن کو دیتی تو مجھ سے ضرور اجازت لیتی تھی۔ حالانکہ میں نے ہمیشہ کہا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن کبھی بھی اس نے بغیر مجھے دکھائے کوئی چیز نہیں دی اور نہ میں نے کبھی روکا۔

محبت کرنے کا سلیقہ جانتی تھی۔ میرے شوق اُس کے شوق ہو گئے تھے اور اُس کے شوق میرے شوق ہو گئے تھے اور ہم ایک دوسرے کا کام کر کے خوشی محسوس کرتے تھے۔ یہ ایک دوسرے کا بھی محاورۃً لکھ دیا ہے ورنہ ہم دونوں کے ایک ہی کام تھے وہ رات رات بھر لکھتی تو میں اُس کا موڈ دیکھ کر اُسے کچھ نہ کہتا البتہ کبھی کبھی چائے کا فی بنا دیتا کہ تھک گئی ہو گی۔ تعزیت کے لئے آنے والے جب اُس کی محبتوں کا ذکر کرتے ہیں تو میں سوچتا ہوں ان کو کیا اندازہ کہ دراصل اس کا دل کتنا حسین تھا۔ آپ سوچیں کہ گھر میں کام والی جو صفائی کے لئے آتی تھی اس کو ہمیشہ گلے لگا کر پیار بھرے جملے کہہ کر رخصت کرتی تھیں۔

پالتو جانور رکھنے کو جانوروں کو تکلیف دینا سمجھتی تھیں۔ پودوں کا ایک ایک پتا صاف کرتی تھیں اور ساتھ ساتھ ان سے باتیں کرتی تھیں کہ یہ بھی جاندار ہیں۔ باتیں سُن کر خوش ہوتے ہیں اور زیادہ پھلنے پھولنے لگتے ہیں۔

گھر کی سجاوٹ کا بہت خیال تھا۔ میرے کپڑوں کا بہت خیال رکھتی۔ گھر سے جاتے وقت ہمیشہ گیلری سے دیکھتی رہتی تھی۔ اگر چولہے پر کوئی چیز ہوتی تب بھی آنچ ہلکی کر کے ضرور گیلری میں خدا حافظ کرنے آتیں میں اب بھی گھر سے نکلتا ہوں تو عادتاً اوپر نگاہ اُٹھ جاتی ہے اور خالی گیلری دیکھ کر دل کی گہرائی سے بشریٰ کے لئے دُعا نکلتی ہے۔ اے اللہ تو اُسے ہمیشہ خوش رکھنا۔

بشریٰ جو بھی پہنتی اُسے سج جاتا۔ کھانے بہت اچھے پکاتی تھیں۔ وہ تیز تیز لکھتی تھی اس لئے عام پین یا بال پوائنٹ اس کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ میں اُسے PILOT کا HITECH پین لا کر دیتا تو بہت پسند کرتیں۔ میرا پین کئی ماہ چلتا جبکہ وہ بہت جلدی خالی کر دیتیں۔ وہ صبح اُٹھ کر مجھے اپنی خوابیں

سُنایا کرتی۔ اُسے تعبیریں بھی بہت اچھی طرح سمجھ آ جاتیں۔ ابنِ سیرین کی ایک کتاب سے دیکھتی۔ دیگر خواتین بھی اُس سے خوابوں کی تعبیریں پوچھا کرتیں۔

اپنی لاتعداد جماعتی مصروفیات اور بیماری کی وجہ سے گذشتہ کئی سالوں سے اکثر مجھے کہتی تھیں کہ دوسری شادی کر لو۔ مَیں آپ کو کماحقہٗ وقت نہیں دے سکتی۔ مَیں بہت پیار سے سمجھاتا کہ مَیں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں لیکن اُسے اکثر خیال رہتا کہ مجھے دینے کا وقت بھی وہ جماعت کو دے رہی ہے آپریشن سے پہلے بھی اس بات کو دہرایا اور جب مَیں نے ہمیشہ کی طرح یہی جواب دیا کہ مَیں مطمئن ہوں۔ اُس نے تو وفات کے بعد بھی ہمارا خیال رکھا۔ بہت سے کھانے بنا کر رکھ گئی جو دیر تک کام آتے رہے۔ طوبیٰ کے اچھے خاصے بڑے بال کاٹ کر چھوٹے کر دیئے کہ اُس کو چوٹی بنانی کہاں آئے گی۔ اپنے بچوں پر بے حد محنت کرتی مگر مستقبل کی سوچیں اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتی کہ وہی کرے گا ہماری کیا ہستی ؟۔

اُس کو یہ مقولہ بہت پسند تھا۔

IF YOU TREAT YOUR WIFE LIKE FLOWER SHE WILL GIVE YOU FRAGRANCE ALL HER LIFE.

اس کے پرس میں تقریباً بیس سال سے ایک تراشہ رکھا رہتا۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تمام زندگی وہ ان باتوں پر عمل کرتی رہی۔

ہمارے حق میں بہت دعاؤں کی درخواست ہے۔

عبدالرحمٰن ناصر

ہماری امی

ہماری امی ہم سے بہت پیار کرتی تھیں۔ اُن کی تربیت کا انداز بہت پیارا تھا۔ وہ بچوں کی نفسیات سمجھتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ بچوں کو کس قدر پیار اور تحفظ کی ضرورت ہے۔ کب حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔ وہ ہماری غلطی پر سزا بھی دیتی تھیں۔ مگر اس کا خیال رکھتی تھیں کہ عزتِ نفس مجروح نہ ہو اور بچے کو اپنی غلطی کا احساس ہو اور وہ سزا کو ظلم نہ سمجھے۔

ان کے چند اصول تھے جن پر وہ ہمیشہ کاربند رہتی تھیں۔ وہ ہمیشہ ایک وقت میں ایک سے زائد کام کرتی تھیں۔ اور ہمیں بھی یہی سکھایا تھا۔ مثلاً ٹی وی دیکھنے کے دوران جوتا پالش کرنا یا کوئی اور کام کرنا۔ اُن کی ہدایت ہوتی تھی کہ ہم اپنا سب کام خود کریں۔ وہ خود بھی اس پر عمل کرتی تھیں۔ جب وہ دوروں پر پر جاتیں یا سیرت کے جلسوں پر یا کلاسز میں پڑھانے جاتیں یا اجتماعات وغیرہ پر جاتیں تو ہم گھر کا سب کام خود کرتے مثلاً کھانا پکانا، برتن دھونا، گھر کی صفائی وغیرہ۔ اس طرح وہ ہمیں سب کاموں کی مشق کرا گئیں۔ شاید قدرت ان سے یہ کام کروا رہی تھی کہ ہمیں اُن کے بغیر یہ سب کام کرنے میں دشواری نہ ہو۔ اللہ پاک ہماری امی کو اعلیٰ درجات سے نوازے۔ اور ہمیں اپنے فضل و احسان سے ایسا بنا دے کہ جب ہم امی سے ملیں تو امی کو اپنی تربیت میں کوئی کمی نظر نہ آئے اور وہ اور ہمارا خدا ہم سے خوش رہے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔

مریم اقبال

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہو

بچپن میں والدین کے فوت ہوتے پر ہم بہنوں کو آپا جان نور جہاں صاحبہ کے زیر سایہ تربیت و پرورش ملی۔ اس طرح ہم اور بشریٰ ایک ساتھ پلے بڑھے۔ آج اپنی اس پیاری بھانجی کے متعلق لکھنے سے ماضی کی ان گنت یادیں تازہ ہو گئیں۔ بچپن میں بھی بشریٰ کا غیر معمولی انداز دل لبھانے والا تھا۔ چست چاق و چوبند، ہشیار مگر منکسر اور عاجزانہ طبیعت کی مالک تھیں۔

تعلیم کے زمانے میں ہی وہ اکثر سچے خواب دیکھا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ امتحان کے پرچے بھی خواب میں دیکھ لیتی اور سہیلیوں کے بھلے کے لئے سوالات انہیں بتا دیتی۔ جب پرچہ بعینہٖ وہی آتا تو سہیلیاں سمجھتیں کہ کسی ذریعے سے بورڈ سے پرچہ نکلوا لیتی ہے۔ مگر جب کھوجنے پر ایسا کوئی ذریعہ ثابت نہ ہوتا تو حیران رہ جاتیں کہ خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق اس حد تک بھی ہو سکتا ہے۔

خود میرے اور میرے بچوں کے ساتھ بہت پیار کرتی۔ پیار کے اس بندھن کا نتیجہ تھا کہ جب وہ ایران میں تھی میں نے ایک مرتبہ کسی غلطی پر اپنے بیٹے جاوید کو تنبیہہ کی اور مارا بھی .... کچھ دن بعد بشریٰ کا خط ملا کہ آپ نے شوری (جاوید کا پیار کا نام) کو مارا ہے۔ اور خفگی کے انداز میں لکھا کہ باز آ جا ورنہ کراچی آکر بہت ماروں گی۔

ہم تہران گئے تو بشریٰ اور داؤد نے میزبانی کا حق ادا کر دیا۔ بشریٰ اپنے گھر میں بڑی بڑی دعوتیں کرتی اور وافر کھانا پکاتی کیونکہ اس کا شیر خرمہ اور حلیم سب پسند کرتے اور کھانا کھانے کے بعد ساتھ بھی لے جاتے تھے۔ دونوں میاں بیوی کو ایک سے شوق تھے۔ خدمتِ خلق مہمان نوازی، کھلا کر خوش ہونا۔ اللہ پاک نے بھی خوب نوازا تھا۔ ایران میں اتنی کشائش تھی کہ کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ غرضیکہ بشریٰ ہر قسم کی نیکیوں کو تلاش کر کے عمل کرتی تھی۔

> "تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو۔ کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں۔ وہ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلّل اختیار کرو تا کہ تم بخشے جاؤ۔"
>
> (حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ)

مصباح ربوہ
۳۶ 36
دسمبر ۱۹۹۳ء

فوزیہ نہتہ

میری حوری باجی

؎ دیکھ لو میل و محبت میں عجب تاثیر ہے
ایک دل کرتا ہے جھک کر دوسرے دل کو شکار

اگرچہ ہم دونوں میں کوئی خونی رشتہ نہیں تھا، لیکن نہ جانے کب اور کس طرح بڑی آہستگی کے ساتھ انہوں نے میری اُس خالی جگہ کو پُر کیا جس کو صرف ایک بہن ہی پُر کر سکتی تھی۔ اس لئے کہ میری کوئی سگی بہن نہیں تھی۔ اور یوں چپکے چپکے ملتے جلتے پتہ ہی نہیں چلا کہ کس وقت انہوں نے میرے دل کو شکار کر لیا۔ اور میری محرومی کو یکسر ختم کر دیا۔

مجھے یاد ہے شروع شروع میں جب میں نے مسکراہٹوں میں ڈھکے چھپے اس شعلہ بیان مقررہ کو دیکھا جس کی تقریر و تحریر نے اپنے پیرایوں میں ایک تہلکہ مچایا ہوا تھا تو میں ان سے بے حد متأثر ہوئی۔

جہاں بھی غیر از جماعت خواتین مدعو ہوتیں۔ بشریٰ باجی بطور خاص وہاں ضرور تقریر کے لئے موجود ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب ملکہ دیا تھا۔ انہیں جلسے کے بعد غیر از جماعت خواتین ان سے ملنے کو بے قرار ہوتیں۔ اور بار بار یہی کہتیں کہ ہمیں تو یہ باتیں اس سے پہلے کسی نے نہیں بتائیں۔ ہمیں تو آپ لوگوں کے بارے میں بہت غلط باتیں بتائی گئیں تھیں۔ اور بشریٰ باجی مسکرا مسکرا کر سب کو یہی جواب دیتیں کہ آپ سوچیں۔ آپ غور کریں۔ ہمارا تو خدا — ہمارا رسولؐ اور ہمارا قرآن سب وہی ہے جو آپ کا ہے — ہم کیسے کافر ہو سکتے ہیں۔ ہم تو کلمۂ توحید کے شیدائی ہیں۔ کلمۂ رسالت کے لئے ہم اپنی گردنیں کٹا دیتے ہیں۔

یہ باتیں کرتے ہوئے ان کے چہرے پر ایک ایسا نور ہوتا۔ اور یہ ایک ایسا اعتماد ہوتا کہ اگلا پگھل کر پانی پانی ہو جاتا۔ خدا تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ ان کے ساتھ۔

ان حالات کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش میں ان کے قریب تر ہوتی۔ لیکن مجھ میں ہمت نہیں تھی پر محبت کی اس دیوی نے مجھے اپنے سے اتنا قریب کر لیا کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ میری معمولی کاوشوں کو اس درجہ سراہتیں کہ میں شرمندہ ہو جاتی اور پھر کوشش میری یہ ہوتی کہ میں کسی طرح ان کے معیار پر پوری اتروں گویا انسان کو آگے بڑھانے کا ایک بہت ہی فطری طریقۂ کار انہوں نے اختیار کر رکھا تھا۔

اس پیار اور محبت کے سرچشمہ نے نہ جانے کتنے ہی بے آب و گیاہ صحراؤں کو اپنی محبت سے سیراب کر کے ہرا بھرا بنا دیا۔ اس کا اندازہ پیاری بہن کی وفات کے بعد ہوا۔ جب لجنہ کی خواتین کا ایک نہ تھمنے والا سیلاب اشکبار آنکھوں اور ہچکیوں کے ساتھ ان کی دائمی جدائی سے نڈھال تھا اور اس وقت مجھ سمیت ہر کوئی یہی سوچ رہا تھا کہ اس اکیلی جان کے پاس پیار کا ایک بیکراں سمندر تھا۔ جس سے سب سیراب ہوتے تھے۔ ہر کوئی اپنی جگہ یہی سمجھے بیٹھا تھا کہ بس بشریٰ حوری صرف اور صرف میری ہیں۔

جب بھی ان سے ملو بانہیں پھیلا کر اپنے وجود میں سما لینا اور پھر کہنا ... ارے میری جان ... میری چندا کہہ کر رخسار سے رخسار ملا دینا اور دیر تک اپنے وجود سے لگائے رکھنا ۔ جیسے اپنے اندر کی نیکیاں اور پیار دوسرے کے وجود میں منتقل کر رہی ہوں۔

میں بیان نہیں کر سکتی کہ اس وقت مجھے کیسا سکون ملتا اور میرا دل یہی چاہتا کہ کاش کوئی ایسی برقی رَو ضرور ہوتی جو ان کے وجود کی نیکیاں، سچائیاں ۔ ان کے کردار کا تمام حُسن، تمام رعنائیاں میرے اندر منتقل کر سکتا۔ کاش ہم بھی ان جیسے بن سکتے۔ اور جب میں ان سے کہتی بشریٰ باجی دُعا کریں کہ ہم بھی آپ جیسے بن جائیں تو ہنس کر کہتیں ۔ نہیں میری جان ۔ میں تو کچھ بھی نہیں میں تو بہت گنہگار ہوں۔ اور میرا دل پہلے سے بڑھ کر ان کا معتقد ہو جاتا۔

خدا تعالیٰ پر کامل توکل اور بھروسے کا عجب حال تھا۔ بڑی سے بڑی آزمائش اور شدید غم کے موقع پر بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیتیں اور یہی کہتیں۔ "نہیں نوذ یہ میرا خدا ظالم ہرگز نہیں"۔ اس نے یقیناً کسی اور بڑے طوفان سے ہمیں بچا لیا ہے۔ اس کے تو بڑے کرم ۔ بڑی عنایات ہیں ہم پر۔ "میرا خدا ظالم نہیں"۔

اور آج ان کے مجازی خدا محترم داؤد بھائی جان اور تین پیارے پیارے پھول۔ اپنی بیوی اور ماں کے اسی فلسفے کو سینے سے لگائے صبر و رضا کی انوکھی اور عظیم داستان پیش کر رہے ہیں۔ اور ان کے لبوں پر بھی یہی کلمہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ "ہمارا خدا ظالم نہیں"۔

اور میں سوچ رہی ہوں ان سب نے دنیا اور آخرت کے لئے کیسے کیسے انمول انعامات کے خزائن اپنے لئے سمیٹ لئے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کا سایہ ہمیشہ ہی ان کے سروں پر رہے۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو نگہبان ہو۔

بچے ماں کا پَر تو بنیں۔ عشقِ حقیقی اور عاشقِ رسولؐ میں اپنی ماں کی شدت اور تڑپ سے بھی آگے نکل جائیں۔ وہ ماں جو اپنے حبیبؐ کا نامِ نامی زبان پر آتے ہی عجیب کیف و سرور کے عالم میں چلی جاتی اور حبیب کبریاؐ کے لئے انتہائے محبت میں ڈوبا ہوا ہر کلمہ دوسروں کو رلا جاتا۔ مُردہ ضمیروں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا کہ ہم دعویدار تو اس محسنِ انسانیتؐ کے ہیں اور ہمارے اعمال کیا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ جبکہ بشریٰ باجی کی آواز کا سحر اور جادو اس حقیقت کا غماز تھا کہ قول و فعل میں پوری ہم آہنگی ہے کہ اس کے بغیر شخصیت کا سحر اور جادو ممکن ہی نہ تھا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دُعا ہے کہ وہ اس مجسم پیار و محبت کے پیکر پر ہمیشہ پیار کی ہی نظر رکھے۔ اس کو اپنے قُربِ خاص میں جگہ دے کہ اے اللہ وہ تیری شیدائی تھی۔ اپنی چادر رحمت میں اس کو سمیٹ لینا اور اعلیٰ مدارج کی جنتوں کا وارث ٹھہرانا۔

درخواستِ دُعا

مکرم سید سجاد احمد صاحب بیمار ہیں۔ بعض پریشانیاں بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائے اور شفائے کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔

نبیلہ مشہود

پیاری باجی بشریٰ

سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس مالا کو کہاں سے پرونا شروع کروں اس کا ایک ایک موتی بہت خوبصورت اور پیارا ہے۔

سب کو میری جان میری جان کہنے والی بشریٰ باجی خود سب کی جان تھیں۔ کیا میکہ، کیا سسرال خاندان کے سب چھوٹے بڑے آپ سے محبت کرتے تھے بلکہ آپ خود ہر عمر کے فرد کی نفسیات سمجھتی تھیں۔ اور ہر ایک سے پیار کرتی تھیں آپ کے منہ سے کبھی کوئی ایسی بات نہ نکلتی جس سے کسی کی دلآزاری ہوتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص آپ کی طرف کھینچتا چلا جاتا۔ جو ایک آدھ دفعہ بھی آپ سے ملا وہ آپ کی شخصیت سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔

بشریٰ باجی اچھی مصنفہ اور اچھی مقررہ تھیں۔ اس سے تو سب ہی واقف ہیں۔ میں ان کی گھریلو زندگی کے بارے میں کچھ لکھنا چاہوں گی۔

باجی سب سسرال والوں سے بہت محبت کرتی تھیں۔ اور ہم سب دیورانیوں کو اپنی بہنوں کی طرح چاہتی تھیں اکثر کہا کرتی تھیں کہ جب سے میری شادی ہوئی میں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ ہم پانچ بہنیں اور ایک بھائی ہیں۔ بلکہ (دیوروں اور نند کو ساتھ شامل کرکے) کہتیں کہ ہم چھ بہنیں اور چار بھائی ہیں۔

مجھ سے دیورانی جیٹھانی کا رشتہ تھا۔ اس رشتے میں عموماً کچھ رکاوٹ ہوتی ہے مگر ہمارے درمیان ایسی کوئی بات نہ تھی۔ مجھے اکثر کہتیں تم تو مجھے بے بی کی طرح لگتی ہو (بے بی آپ کی چھوٹی بہن کا نام ہے)۔ میں دل میں سوچتی کہ کیا واقعی ایسا ہی ہے پھر جب اپنے دل میں جھانکتی تو مجھے ایسا لگتا کہ اگر میری کوئی بڑی بہن ہوتی تو مجھے اسی طرح پیاری ہوتی جیسے بشریٰ باجی۔ اس لئے ان کی بات پر یقین آجاتا۔ میں نے بشریٰ باجی سے بہت کچھ سیکھا جب سے میری شادی ہوئی انہوں نے ہر رنگ میں میری راہنمائی کی۔

اکثر باتوں میں ان سے مشورہ لیا کرتی اور وہ بھی ایسی ایمانداری اور خلوص سے مشورہ دیتیں کہ پوری تسلی کروا دیتیں۔ چونکہ ان کا علم بھی زیادہ تھا۔ اس لئے اکثر باتیں ان سے پوچھ کر تسلی ہوتی تھی۔

میری بڑی بیٹی کافی شریر تھی میں اس کے متعلق پریشان رہتی باجی کو دعا کے لئے کہتی وہ ہمیشہ مجھے تسلیاں دیتیں اور ساتھ تربیت اور اصلاح کے طریقے بھی بتاتیں۔

گھر کو سجانے کا بہت شوق تھا۔ جب ہم لوگ ان کے گھر جاتے تو جو چیز نئی بنائی یا خریدی ہوتی وہ بڑے شوق سے دکھاتیں۔ مہمان نواز اتنی تھیں کہ جس وقت بھی چلے جاتے وقت بے وقت، تو ہر طرح مہمان نوازی کرتیں اور بے وقت آنے کا ذرا بھی برا نہ مناتیں۔ کبھی ان

کی مصروفیات یا بیماری کو دیکھ کر ہم گھر سے کوئی چیز پکا کر لے جاتے تو بہت بُرا مناتیں اور کہتیں کہ میرا گھر کوئی پکنک پوائنٹ نہیں ہے۔ کھانا بہت اچھا پکاتی تھیں۔ نئی نئی ڈشز تیار کرنے کا بہت شوق تھا۔

پودوں سے بہت پیار کرتی تھیں۔ گھر کے اندر باہر ہر جگہ گملے سجائے ہوئے ہیں اور ان کا بہت خیال رکھا کرتی تھیں۔ رلیاں بنانے کا بھی بہت شوق تھا۔ مختلف کپڑوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے سنبھال کر رکھتیں اور پھر اُن کو جوڑ جوڑ کر بڑی محنت سے رلیاں تیار کرتیں۔

سخت محنتی تھیں اتنے سارے جماعت کے کام کرتیں اور پھر گھر کو بھی پورا وقت دیتیں۔ ساری ساری رات جاگ جاگ کر کتابیں لکھتی تھیں۔ کپڑے بھی خود سیتی تھیں۔ بیٹی کے کپڑوں پر خاص توجہ دیتی تھیں۔ بہت خوبصورت فراک بناتیں۔ ہر کسی کی ہمدرد تھیں۔ کسی کی ضرورت کا پتہ چلتا تو فوراً اس کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتیں۔

دعوت الی اللہ کا اس قدر شوق تھا کہ گھر میں آنے والی ماسی اور دودھ والے کو بھی جماعت کی باتیں بتاتیں۔ بعض دنوں بیمار تھیں میں ملنے ہاسپٹل گئی تو مجھے بہت خوش ہو کر بتانے لگیں کہ ہمیں یہاں پر بھی کافی دعوت الی اللہ کا موقع ملا ہے۔ سب اردگرد کے کمروں میں جو عورتیں مریض تھیں ان کا حال احوال پوچھتیں میرے سامنے اپنی امی کو بھی بتایا کہ فلاں کمرے میں فلاں کے ہاں غالباً لڑکا ہوا تھا اس کو جا کر مبارک باد دے آئیں۔

جب میرا چھوٹا بیٹا پیدا ہوا بشریٰ باجی نے مجھے اچھی اچھی چیزیں پکا کر بھیجیں۔ حالانکہ ان دنوں بھائی جان بھی شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ پھر بھی اتنی ہمت سے کام لے کر میرا اتنا خیال رکھا۔ پہلے بھی اکثر اچھی اچھی چیزیں پکا کر بھیجتیں۔

میں اُن کے احسانوں کا کچھ بھی بدلہ نہیں دے سکتی۔ سوائے اس کے کہ دعا کروں کہ خدا تعالیٰ باجی کو ان کی نیکیوں کا بڑھ چڑھ کر اجر دے۔ اور ان کے بچوں کو دین و دنیا میں ہر طرح کامیاب بنائے جس کا انہوں نے اپنی زندگی میں تصوّر کیا ہو گا۔

واقفین بچّوں کا جنرل نالج بڑھائیں

حضور نے فرمایا: "عام طور پر دینی علماء میں یہی کمزوری دکھائی دیتی ہے کہ دین کے علم کے لحاظ سے تو ان کا علم کافی وسیع اور گہرا بھی ہوتا ہے لیکن دین کے دائرہ سے باہر دیگر دنیا کے دائروں میں وہ بالکل لاعلم ہوتے ہیں۔ اس لئے جماعت احمدیہ کو اس سے سبق سیکھنا چاہیئے اور وسیع بنیاد پر قائم دینی علم کو فروغ دینا چاہیئے۔ یعنی پہلے بنیاد عام دنیاوی علم کی وسیع ہو پھر اس پر دینی علم کا پیوند لگے تو بہت ہی خوبصورت اور بابرکت ایک شجرۂ طیّبہ پیدا ہو سکتا ہے تو اس لحاظ سے بچپن ہی سے ان واقفین بچّوں کو جنرل نالج بڑھانے کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے۔ آپ خود متوجہ ہوں تو ان کا علم آپ ہی آپ بڑھے گا یعنی ماں باپ متوجہ ہوں اور بچّوں کے لئے ایسے رسائل، ایسے اخبارات منگوایا کریں، ایسی کتابیں پڑھنے کی ان کو عادت ڈالیں جس کے نتیجہ میں ان کا علم وسیع ہو۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ فروری ۱۹۸۹ء)

نورجہاں بشریٰ داؤد

بشریٰ کی زندگی قابلِ رشک تھی اُس کی رحلت بھی قابلِ رشک ہوگئی۔ پیارے آقا حضرت امام جماعت احمدیہ نے ۲۳ جولائی ۱۹۹۳ء کے خطبہ جمعہ میں اُس کا ذکر باایں الفاظ فرمایا:-

"آج نمازِ جمعہ کے بعد دو پاکباز خواتین کی نمازِ جنازہ پڑھائی جائے گی جو خدمتِ دین میں پیش پیش تھیں یا دعاؤں میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اور عبادات میں اور لوگوں کی نیک تربیت کرنے میں انہوں نے اپنی زندگی صرف کی۔ اُن میں سے ایک ہماری بشریٰ داؤد حوری ہیں جو مکرم محترم مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب نائب امیر کراچی کی صاحبزادی ہیں۔ اکثر پہلوؤں سے اپنے باپ کے سب گُن انہوں نے اپنے وجود میں زندہ رکھنے کی کوشش کی ہے اور بے لوث خدمت جس کے ساتھ کوئی دکھاوے کا عنصر نہیں اور انتھک خدمت جو مسلسل سالہا سال تک رواں دواں رہتی ہے۔ یہ وہ دو خصوصیات ہیں جن میں مکرم مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی دو خصوصیات پوری شان کے ساتھ عزیزہ حوری میں موجود تھیں اور حُسنِ بیان کے ملکے سے خدا نے ایسا نوازا تھا کہ اپنے ہوں یا غیر ہوں جو بھی اُن کی تقریریں سُنتا تھا وہ ہمیشہ ان سے گہرا اثر لیتا تھا اور رطب اللسان رہتا تھا ان کی تعریف میں۔ میں نے کبھی کسی کراچی کی یا باہر سے آنے والی خاتون سے کبھی ایک لفظ بھی ان کے کردار کے خلاف نہیں سُنا۔ محبت کے ساتھ لجنہ کے فرائض سرانجام دینے والی لیکن جو حُسنِ بیان کا ملکہ خدا تعالیٰ نے بخشا تھا وہ خصوصیت سے سیرت کے بیان پر ایسے جلوے دکھاتا تھا کہ دور نزدیک ان کی شہرت پھیلی ہوئی تھی اور جب بھی سیرت کے مضمون پر زبان کھولتی تھیں تو ایسی متعصب خواتین بھی جو احمدیت سے دشمنی رکھتی تھیں۔ اگر وہ اُس جلسے پر لوگوں کے کہنے کہلانے پر حاضر ہوگئیں تو ایک ہی تقریر سُن کے اُن کی کایا پلٹ جایا کرتی تھی وہ کہا کرتی تھیں کہ اس کے بعد ہمیں کوئی حق نہیں کہ جماعت احمدیہ پر یہ الزام لگائیں کہ ان کو حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت نہیں ہے۔ تحریر کا ملکہ بھی خدا نے عطا فرمایا تھا اور کئی کتابیں چھوٹی چھوٹی سیرت کے موضوع پر لکھیں۔ ان کا آپریشن ہوا تھا جس کے بعد گھر واپس آرہی تھیں کہ اچانک دل کا دَورہ پڑنے سے وفات ہوگئی۔ اللہ غریقِ رحمت فرمائے۔ ساری جماعت کراچی سے میں تعزیت کرتا ہوں۔ مکرم مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب ان کے خاندان ان کے میاں داؤد سے اور بچوں سے بلکہ میں سمجھتا ہوں۔ ساری جماعت کراچی تعزیت کی محتاج ہے اور لجنہ اماء اللہ کراچی خصوصیت سے تعزیت کا حق

رکھتی ہے۔ سب دُنیا کی عالمگیر جماعتوں کی طرف سے میں یہ تعزیّت کا پیغام اُن کو پہنچاتا ہوں۔ اللہ اُسے غریقِ رحمت فرمائے اور جس سیرت کے بیان پر انہوں نے اپنی زندگی صرف کی، خدا تعالیٰ اُس سیرت کے فیض سے ان کے بچّوں کو صبرِ محمدیؐ عطا کرے۔ ان کے خاوند ان کے والد اور دوسرے عزیزوں کو ان کی والدہ کو اور دوسرے عزیزوں کو سب کو خدا صبرِ محمدیؐ عطا فرمائے اور سیرت کا یہ فیض ان کے خاندان کو خصوصیت سے پہنچے۔"

یہ خوش نصیب خاتون حور جہاں بشریٰ داؤد محترمہ نور جہاں بیگ اور محترم مرزا عبدالرحیم بیگ ایڈووکیٹ نائب امیر جماعت احمدیہ کراچی کی دختر نیک اختر تھیں۔ اس کے دادا محترم مرزا عبدالحکیم بیگ صاحب کلیانہ ریاست جنید کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور نانا حضرت حکیم عبدالصمد صاحب دہلوی رفیق حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ تھے بشریٰ ۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ پانچویں چھٹی کلاس سے ناصرات الاحمدیہ کی سیکرٹری کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ والدین کی تربیت کے جوہر کھلنے لگے۔ والدہ حلقہ رام سوامی کی صدر تھیں۔ اس طرح گھر میں تنظیمی کاموں کی تربیت ملتی رہی۔ بچپن سے ہی ہر کام میں پیش پیش رہنے کا شوق تھا۔ شرارتیں بھی کیں۔ کھیل بھی کھیلے۔ تعلیم میں اچھے نتائج حاصل کئے، سکول کالج اور پھر یونیورسٹی کے زمانے میں مثالی اخلاقی نمونے کی وجہ سے تعظیم حاصل کرتی رہیں۔ کھل کر اپنے عقائد بیان کرنے کا شوق بھی پایا جاتا تھا۔ احمدیہ ہال گویا دوسرا گھر تھا۔ ناصرات اور لجنہ کے کاموں میں بے حد دلچسپی تھی۔ جمیلہ عرفانی صاحبہ انقلابی پروگرام سوچتیں اور جوان عمر لڑکیاں تن من سے مصروفِ کار رہتیں۔

کراچی یونیورسٹی سے ایم ایس سی (باٹنی) کیا۔ محترمہ سیّدہ حبیبۃ الرحمٰن قدسیہ صاحبہ اور محترم محمد مسعود احمد صاحب قریشی کے بیٹے داؤد احمد صاحب قریشی سے ۱۹۷۲ء میں شادی ہوئی۔ شادی کے بعد ایران میں بھی سلسلہ کی خدمت کی راہیں نکالیں۔ ایران میں بشریٰ جیسی فعّال اور متحرک احمدی خاتون کو یہ تأثر دیا گیا کہ یہاں احمدیت کی شدید مخالفت ہے۔ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ کوئی احمدی ہے تو کسی بہانے گھر سے بلواتے ہیں اور پھر تا حیات خبر نہیں ملتی کہ وہ کہاں کھپا دیا گیا۔ اس لئے یہاں دستور زباں بندی پر کاربند رہنا ہے مگر بشریٰ کے لئے یہ احتیاط آمیز بندشیں بے معنی تھیں۔ پہلے اُس نے احمدی گھرانوں سے روابط بڑھائے پھر اپنے گھر پر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا جلسہ کیا۔ جس میں غیر از جماعت مہمان بھی مدعو تھے اس کے ساتھ ہی باقاعدہ لجنہ قائم کی۔ عہدے دار مقرر کیں۔ بشریٰ کے حُسنِ سلوک سے دائرہ اثر میں اضافہ ہوتا رہا اور باوجودیکہ حساس عہدوں پر فائز احباب کی بیگمات بھی شریک ہوتی تھیں کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ وہ لٹریچر بھی دیتیں۔ تقریریں بھی کرتی اگر کوئی خوف کا اظہار کرتا تو دھڑلے سے کہتی کہ نام تو میرا جاتا ہے اگر نقصان ہوگا تو مجھے آپ کیوں ڈرتی ہیں مگر اللہ پاک نے اس شیرنی جیسی بہادر کی ہمیشہ استعانت فرمائی اس کا جتنا شکر کیا جائے کم ہے۔

ایران میں ۱۹۷۹ء میں دگرگوں حالات پیدا ہوئے جس کے نتیجے میں بغیر ساز و سامان کے واپس کراچی

آنا پڑا۔ ایران کی آسائشوں کے بعد تنگی ترشی کا زمانہ انتہائی صبر و استقامت سے گزارا۔ ۱۹۸۱ء میں حضرت امام جماعت احمدیہ الثالث نے کراچی لجنہ کی تنظیم توڑ کر ایک پانچ رکنی کمیٹی نامزد فرمائی جس کی ایک رکن بشریٰ داؤد تھیں۔ حضور نے خاص امور کی طرف توجہ دلائی تھی اور پندرہ روزہ رپورٹ ارسال فرمانے کی ہدایت فرمائی تھی۔ سب ممبرات کو انتھک جان توڑ کام کرنا پڑا۔ ہر حلقے میں دورے اور تربیتی اجلاس کروائے گئے۔ بشریٰ نے طوفانی دورے کر کے کام کو بہت آگے بڑھایا پھر قیادت نمبر ۵ کے کام میں کچھ بہتری لانے کے لئے بشریٰ کو قیادت کا نگران بنا دیا گیا۔ عہدے سے انصاف کرنے کو جزو ایمان سمجھنے والی نے اس ذمہ داری کو بھی باحسن پورا کیا پھر سیکرٹری اصلاح و ارشاد بنا دی گئی۔ تا دمِ آخر وہ یہی فریضہ سر انجام دے رہی تھی۔ اتنی سرگرمی سے کام کرنے کی وجہ سے اپنی خرابیٔ صحت کو ہمیشہ ٹالتی رہی۔ اُسے کئی عوارض لاحق تھے کبھی بالکل بے دم ہو جاتی مگر پھر کوئی کام آجاتا تو اپنا نفس بُھلا کے گھر گرہستی پسِ پشت ڈال کے بچوں کو صبر کی تلقین کر کے کام میں جُت جاتی۔ ہر اہم جلسے پر مشکل ترین ڈیوٹی اس کو سونپ دی جاتی اور وہ ڈیوٹی ہو یا نہ ہو ہلکان ہونے کی کوئی نہ کوئی صورت نکال لیتی۔ وہ جماعت کے کاموں کو ترجیح دیتی اور صحیح معنوں میں دین کو دنیا پر مقدم رکھتی۔ کام کام اور بس کام تیزی سے، جلدی سے، مستعدی سے کرنے کی عادی تھی۔ تین چار سال سے اپنے آپریشن کو کام ہی کی خاطر ٹالتی آرہی تھی حتیٰ کہ اب آمادہ ہوئی تو نئے افراد احمدیت میں شامل کرنے کا ٹارگٹ آگیا۔ اُس نے بستر پر لیٹے لیٹے فون کر کر کے کام کروایا۔ تڑپ تڑپ کر دُعائیں کیں۔ اتنی بے چین تھی کہ اس کی حالت دیکھ کر دل کرتا تھا سب زیادہ دُعائیں کریں تاکہ منزل قریب تر آجائے اُس نے ہسپتال میں داخل ہو کر بھی کام جاری رکھا۔ ارد گرد کی خواتین نے اُس کی امّی کو مبارک باد دی کہ آپ کی بیٹی وعظ کرتی ہے تو دل کرتا ہے۔ سب کام چھوڑ کے بس اس کو سنتے جائیں۔ مَیں ہسپتال میں اُس سے ملی تھی ہشاش بشاش تھی۔ اپنے نئے احمدی بنانے کے ٹارگٹ کی باتیں کرتی رہی۔

۲۰ر جولائی کی سہ پہر کو ہولی فیملی سے ڈاکٹر کا فون آیا اور اُس نے یہ جانکاہ خبر سنائی کہ ہماری پیاری بشریٰ مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہوگئی ہے۔

خدا کے ہیں خدا کے پاس سب کو لوٹ جانا ہے
یہ دُنیا عارضی ہے مستقل وہ ہی ٹھکانا ہے

جس سعادت مندی سے وہ ساری عمر خدا تعالیٰ کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کرتی تھی اسی سعادت مندی سے بڑے آرام سے جان دے دی۔

اُس کے ضعیف العمر والدین کی ایسی بیٹی رخصت ہوگئی جو کبھی صدیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ لجنہ کراچی سے غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک عہدیدار رخصت ہوگئی۔ اور مجھے اب وہ بشریٰ کبھی نہیں ملے گی جو دکھ سکھ میں ہمدم و رفیق تھی جو کہتی تھی تم سے تو میں اس طرح بات کرتی ہوں جیسے انسان خود سے باتیں کرتا ہے۔ ہم کوئی دو نہیں تھے۔ داؤد بھائی سے ان کی مجسم سکینت باوفا جیون ساتھی اور عبد الرحمٰن ناصر دبعمر

۱۹ سال)۔ سیف الاسلام طاہر (بعمر ساڑھے سولہ سال) اور عطیۃ المجیب طوبیٰ (بعمر ساڑھے نو سال) سے اُن کا ٹھنڈا سایہ اُن کی ماں بچھڑ گئی۔ اس دلدوز سانحے سے بہت آنکھیں اشکبار ہوئیں۔ جس نے سُنا پہلے تو یقین نہیں کیا پھر اُس کے آخری دیدار کے لئے لپکے۔ کھڑے ہونے کو جگہ نہ تھی مگر خاموش سسکیوں، کراہوں اور آنسوؤں کے نذرانے کے سوا سب نے بے حد صبر کا نمونہ دکھایا۔ احمدیہ ہال میں جنازے کے وقت بھی بے مثال حاضری تھی اور ہر ایک کی زبان پر تھا۔ وہ کتنی اچھی تھی۔ ہر ایک کو محسوس ہو رہا تھا کہ اُس کے ساتھ بشریٰ کا سب سے زیادہ تعلق تھا بشریٰ اس قدر پیار سے بات کرنے کی عادی تھی کہ اپنے پرائے کا دل موہ لیتی۔ اس کا دل پیار کا خزانہ تھا۔ خالہ جان، آپا جان، میری چاند، میری جان کہہ کر مخاطب کرتی ہر ایک کی تکریم کرتی۔ سب بچّوں کو اپنے بچے، سب لڑکیوں کو اپنی ذمہ داری اور سب بڑوں کو قابلِ احترام سمجھتی۔ اُس کا یہی جادو تھا۔ کہ وہ سب کو کام پر آمادہ کر لیتی۔ اور صلاحیتوں کو اجاگر کر کے، بڑھاوا دے کر، خود مدد کر کے دین کی خدمت کی راہوں پر ڈال دیتی۔ اُسے غریبوں سے بطور خاص محبت تھی۔ کسی کی مجبوری دیکھ کر دل تڑپ جاتا۔ ایثار و قربانی سے وہ دوسروں کی مدد کرتی جس کا دوبارہ ذکر کرنا تو درکنار وہ ہمیشہ شرمندہ سی رہتی کہ جس قدر چاہیئے تھا کہ مدد کی جاتی اتنی ممکن نہ ہو سکی۔ اگر اُس کا بس ہوتا دنیا میں کوئی حاجت مند، بیمار، مجبور، بے بس ایسا نہ ہوتا جس کے پاس پہنچ کر اس کی مدد نہ کرتی اور عزتِ نفس کے شدید احساس کے ساتھ ایک ڈیڑھ سال پہلے اس نے ایک بے ماں کی بچّی کی شادی کا سامان تیار کیا خود اپنے گھر سے بہت سی ضروری چیزیں لیں اور کچھ سہیلیوں کو تحریک کی۔ اس طرح بہت اچھا ضرورت کا سامان مہیّا ہو گیا۔ بڑی خوش تھی کہتی تھی پتہ نہیں طوبیٰ کی شادی کے وقت میں ہوں گی یا نہیں اللہ کرے کوئی اسی طرح میری طوبیٰ کا کام بھی کرا دے۔

اسی طرح کے حُسنِ سلوک سے وہ کراچی میں مقبول ترین خاتون تھی۔ احمدیہ ہال کا عملہ حتّٰی کہ خاکروب اور باہر بریانی بیچنے والا سب اُس کی بے حد عزت کرتے اور وہ سب کا حال چال پوچھتی رہتی۔ اس کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ چھوٹے چھوٹے پیار بھرے تحفے دینے کے لئے اُس کے پاس بہت کچھ ہوتا۔ منکسر المزاج اور پیچھے رہ کر کام کرنے والی تھی۔ جتنا کام وہ اکیلی ذات کرتی تھی اُس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مگر یہ کام نام کے لئے نہیں ہوتا تھا۔ وہ پیدا ہی کام کے لئے ہوئی تھی وہ تنظیم پر نثار ہوتی رہی اور بالآخر جان بھی دے دی۔ وہ راتوں کو جاگ جاگ کر کام کرتی۔ کبھی رات گئے فون آتا تو زندگی سے بھرپور آواز میں خوشی خوشی بتاتی۔ اس وقت عجیب چیز پڑھی۔ دل چاہا تمہیں بھی شریک کروں" اور پھر وہ بہت خوبصورت کوئی اقتباس سُناتی۔ فون پر ہماری گفتگو دو پگلوں کی گفتگو ہوتی۔ عجیب بلند و بالا منصوبے سیرت پاک کے متعلق نئی نئی باتیں، حضور ایدہ الودود کی یادیں، جماعت کی ترقی کے لئے تجویزیں خطبات کی شیرینی، غرضیکہ ہمارے موضوع تمام خواتین کے مروجہ

موضوعات سے یکسر مختلف تھے اور دورانِ گفتگو بشریٰ کی سلائی مشین چلنے کی آواز بھی آتی رہتی یا کسی دوسرے کام میں مصروف ہوتی کیونکہ ہم کو گھر کے روزمرہ کے کاموں سے فرصت پا کر بلکہ کھینچ تان کے فرصت نکال کر لکھنے پڑھنے کا کام کرنا ہوتا ہے۔

بشریٰ خدا کی رضائے حصول کے لئے حریص رہتی اور ایسی راہیں تلاش کرتی جس سے اللہ پاک کی خوشنودی کی کوئی سبیل نکل آئے۔ وہ ہر بات کا رُخ خدا تعالیٰ کی طرف موڑ دیتی۔ بہت دُعائیں کرتی۔ اللہ پاک پر اُسے ایسا توکل تھا کہ کبھی گھبراتی نہیں تھی۔ جب اُس کے ابا جان کو دل کا دورہ ہوا تو اس کی بے چینی اور بے قراری کا عالم دیدنی تھا مگر وہ اللہ پاک کی حمد و ثنا کے ساتھ یہ دُعا کرتی یا پاک پروردگار جماعت کو ایسے وجودوں سے مالا مال رکھ میرے ابا جان درویش تھے اور اس کے ابا جان درویش صفت اور میرے ابا جان کے ہم نام ہونے کی وجہ سے بھی مجھے ان سے انتہائی عقیدت ہے۔ توکل علی اللہ کا درس اُسے گھر کی تربیت سے ملا تھا۔ خدا تعالیٰ اُس کی غیر معمولی طور پر مدد کرتا ہے وہ تحدیثِ نعمت کے طور پر کبھی بیان کرتی مگر زیادہ تر اُسے ایسے واقعات کا دہرانا پسند نہ تھا۔ اُس کی غیرت اور حجاب کی وجہ سے میں بھی اُس پیار بھرے سلوک کا ذکر نہیں کرتی۔ اتنا لکھنا کافی ہوگا کہ وہ اپنی ضرورت اور احتیاج صرف اور صرف اپنے اللہ تعالیٰ سے بیان کرتی اور وہ معجزانہ طریق پر اُس کی مدد کرتا۔ کبھی کبھی عجیب انداز میں کہتی کاش اللہ تعالیٰ سامنے نظر آجاتا تو میں اُس سے لپٹ جاتی پھر نہ چھوڑتی۔ وہ کتنا پیارا ہوگا جس نے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم جیسی پیاری ہستی تخلیق کی۔ وہ دُعا کرتی کہ خدا تعالیٰ اُسے اس جماعت میں شامل کرے جسے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کا صبح شام دیدار کرایا جائے گا۔ اللہ پاک سے دُعا ہے کہ وہ اس کی یہ اور سب دُعائیں قبول فرمائے۔

بشریٰ کے گھر جاؤ تو ہر طرف سلیقہ بولتا ہوا دکھائی دیتا۔ پودوں کا بے حد شوق تھا۔ سیڑھیوں میں دو منزل پہلے سے گملوں کی قطار بشریٰ کے گھر کے قریب کا پتہ بتا دیتی۔ ایک دفعہ ایک خاتون نے گھنٹی بجا کر دروازہ کھلنے پر کہا "اگر آپ پسند کریں تو میں اندر سے آپ کا گھر دیکھنا چاہتی ہوں، جس کا گھر باہر سے اتنا خوشنما ہے اندر سے کیسا سجا سجا ہوگا"۔

بشریٰ بے حد محنتی تھی خود سارا کام کرتی۔ کفایت شعاری کی عادت تھی۔ بے کار چیزوں سے کار آمد چیزیں بنانے کا ہنر رکھتی تھی۔ سندھی طرز کی رلیاں بڑی مہارت سے بنا لیتی۔ چھوٹے چھوٹے چوکور کپڑے کاٹ کاٹ کر ہاتھوں پر گٹے پڑ جاتے۔ اسی طرح پرانے کمبلوں پر غلاف چڑھا کر دوبارہ کار آمد بنا لیتی۔ سلائی کڑھائی بڑے سلیقے سے کرتی۔ کپڑوں پر پینٹ بھی خوبصورتی سے کیا اُسے نت نئے ڈیزائن سوچنے اور شدید خواہش رکھتی تھی کہ سب احمدی لڑکیاں ہر قسم کا کام سیکھیں۔ کھانا کم لاگت میں کئی قسم کا تیار کر لیتی۔ کھانا کھلانے کا شوق کھانے سے زیادہ تھا۔ رزق ضائع کرنے پر بہت

غصّہ آتا۔ پلیٹ میں کبھی کھانا نہ بچاتی اور ہر قسم کی سادہ سے سادہ چیز رغبت سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے کھاتی۔ مچھلی اور بریانی خاص طور پر لذیذ پکاتی تھی۔ اُس کا گھر ہمیشہ صاف ستھرا ہوتا۔ لباس بہت نفیس پہنتی۔ مہنگا قیمتی لباس پہننے کو اسراف سمجھتی۔ عام سے کپڑے کو سجا کر بیلیں وغیرہ ٹکا کر دیدہ زیب بنا لیتی۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اُس پر ہر لباس سجتا تھا۔ چار گز کے چنے ہوئے بیل ٹکے ہوئے دوپٹے سلیقے سے اوڑھتی۔ اسی طرح بچوں کو بھی موقع کی مناسبت سے تیار کرتی۔ اُس کے گھر میں بچی کھچی دھجیاں بھی بے کار نہیں جاتی تھیں۔ عام استعمال کی معمولی ٹوکریوں پر جھالریں ٹکا کر سجا لیتی۔ ہر قسم کے بیگ خود تیار کرتی تھی۔ جن کو دیکھ یقین نہیں آتا تھا کہ گھر میں تیار کئے گئے ہیں۔

اجلاس، سالانہ اجتماعات، جلسے خاص طور پر جلسہ ہائے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلّم میں بشریٰ کو خاص دلچسپی تھی۔ تقریر کی تربیت بچپن سے شروع ہوئی تھی۔ کئی مرتبہ ناصرات اور لجنہ کی نمائندگی میں ربوہ میں اور کراچی میں تقریری مقابلوں میں اوّل انعامات لئے۔ اُس وقت کی سیکرٹری جنرل محترمہ جمیلہ عرفانی صاحبہ نے تقریر کا فن سکھانے میں خصوصی دلچسپی لی۔ اور محترم مولانا عبدالمالک خانصاحب کے تقریر کے سٹائل سے غیر شعوری تأثر کے ساتھ بشریٰ کا اپنا اندازِ تقریر مرتب ہؤا۔ اُس کو قدرت نے خوشگوار بلند آواز دی تھی اردو کا تلفّظ اچھا تھا سب سے بڑی بات اس کے اندر موجیں مارتا ہؤا سرشار جذبہ تھا۔ پہلے لکھ کر مضمون پڑھا کرتی تھی۔ پھر اُس کے پاس لکھنے کا وقت ہی نہ رہا صرف کاغذ پر نوٹس لے کر بہت اچھی تقریر کرتی۔ اکثر ہم لوگ علاقہ اور سامعات کا معیار دیکھ کر موضوع منتخب کرتے۔ جن جلسوں میں اکٹھے جاتے راستے میں موضوع یہی رہتا۔ اگر مَیں ساتھ نہ جاتی تو بھی ہم سامعات کے تأثرات اور تقریر کی ایسے پہلوؤں پر گفتگو کرتے جن کو زیادہ مؤثر بنایا جا سکتا تھا۔ مَیں کاغذ پر پوائنٹ لکھتی رہتی جو بعد میں اُسے بتاتی تو وہ کبھی بُرا نہ مانتی۔ جلسۂ سیرت النبیؐ کے پروگرام میں بشریٰ کا نام اللہ تعالیٰ کے فضل سے جلسے کی کامیابی کی نوید بن جاتا۔ جلسے کرنے کا شوق بھی اُسی کا پیدا کیا ہؤا تھا۔ پھر جلسوں پر غیر از جماعت بہنوں کی آمد سے دعوت الی اللہ کا ایسا سلسلہ چل نکلا جس کا چسکا عام ہوتا گیا۔ بشریٰ کی طبیعت کتنی بھی خراب ہوتی جلسہ سیرت میں بلاوے کو حتی المقدور نہ ٹالتی۔ اکثر اوقات دَوا کھا کھا کے جلسوں میں جاتی۔ اُس کے موضوعات بھی بڑے منفرد ہوتے ایسا سماں بندھ جاتا کہ عورتوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے پھر وہ تقریر کو خاص نقطۂ عروج پر پہنچا کر رُخ عہدِ حاضر کی طرف موڑتی۔ اور موجودہ دَور کی قباحتوں سے بچ کر اسوۂ محمدیؐ اپنانے کا درس دیتی۔ حضرت امامِ وقت کے اشعار بڑی روانی سے مناسب جگہ پر اچھے انداز میں پڑھتی خاص طور پر یہ بند گہرا تأثر چھوڑتا ہے۔

اس رحمتِ عالمؐ ابرِ کرم کے یہ کیسے متوالے ہیں
وہ آگ بجھانے آیا تھا۔ یہ آگ لگانے والے ہیں
وہ والی تھا مسکینوں کا، بیواؤں اور یتیموں کا
یہ ماؤں بہنوں کے سر کی چادر کو جلانے والے ہیں

وہ جود و سخا کا شہزادہ تھا بھوک مٹانے آیا تھا
یہ بھوکوں کے ہاتھوں کی روٹی چھین کے کھانے والے ہیں

غیر از جماعت بہنیں ایک خاص انداز کے میلاد کی عادی ہوتی ہیں "پڑھنے والی" خاص وضع کی خاتون ایک ہی سٹائل سے سیرت نبویؐ کے ایسے پہلوؤں کو بیان کرتی ہیں جن میں روایت ہے سے شروع کر کے جھوم جھوم کے ایک ہی قسم کی مبالغہ آمیز بغیر سند کی روایات شامل ہوتی ہیں۔ یہ خواتین جب ہمارے جلسوں میں آتی ہیں اور پڑھی لکھی خواتین سے پُر مغز تقاریر سنتی ہیں۔ تو ایک ہی جلسے سے اُن کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ خاص طور پر خوش وضع خوش لباس بشریٰ کا پُر کشش انداز تقریر اور اس میں سیرت کا مبسوط بیان بہت بھلا لگتا۔ بشریٰ جن جلسوں میں تقریر کرتی ان کی حاضری میں اضافہ ہو جاتا۔ جلسے کا انتظام کرنے والی ممبر بھی جلسہ گاہ کی تیاری کے بعد بشریٰ کے آنے پر سبکدوش ہو جاتی کہ اب وہ ہر طرح سنبھال لے گی۔ بشریٰ اپنے لئے نمایاں جگہ کبھی پسند نہ کرتی۔ فرش پر بیٹھنا اُسے مرغوب تھا اسی طرح جلسوں پر جانے کے لئے سواری طلب نہ کرتی۔ بس کے ذریعہ چلی جاتی۔ اگر کوئی از خود انتظام کر دے تو اس سہولت سے بھی فائدہ اُٹھاتی۔

اس کے شوقِ بے پایاں میں دوسری مقررات تلاش کر کے ان کو تقریر کا فن سکھانا بھی شامل تھا۔ کئی دفعہ اپنے دوسرے کام میں مصروفیت کے دوران وہ لڑکیوں کی تقریریں درست کر رہی ہوتی۔ جب اجتماعات میں اُسے منصف بنایا جاتا وہ بڑی توجہ سے لڑکیوں کی تقاریر سن کر اچھے اور کمزور نکات نوٹ کرتی اور پھر لڑکیوں کو سمجھاتی۔ اچھی باتوں کا سراہنا اُس کی عادت میں شامل تھا۔

بشریٰ نے کراچی میں لمبا عرصہ کام کیا کئی صدروں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ وہ سب کے ساتھ انتہائی ادب اور محبت سے کام کرتی۔ محترمہ آپا نصیرہ بیگم صاحبہ کہا کرتی تھیں جب بشریٰ کو ایسی جگہ غصّہ یا جوش آجاتا جہاں تحمّل کی ضرورت ہوتی تو میں اُس کا ہاتھ پکڑ لیتی بشریٰ سمجھ جاتی اور فوراً اطاعت میں خاموش بیٹھ جاتی۔ آپا سلیمہ میر صاحبہ بھی بشریٰ کو بے حد پیار کرتی ہیں۔ اور اس کی صلاحیتوں کی معترف ہیں اس کی صحت کا فکر ہوتا۔ بڑی دردمندی سے کہتیں بشریٰ اپنا توجہ سے علاج کرواؤ تمہارے بچوں کا بھی تم پر حق ہے۔ عجیب انداز سے جواب دیتی۔ "یہ بچے میرے تھوڑا ہی ہیں۔ اللہ پاک کے ہیں وہ چاہے گا کہ میں اچھی ہو کر ان کی خدمت کروں تو مجھے اچھا کر دے گا۔" صدروں کے علاوہ مجلس عاملہ کی ممبرات، اپنے شعبۂ اصلاح وارشاد کی عہدیداروں سے تعاون اور قلبی تعلق رکھتی۔ لجنہ کراچی، کا نام ہمیشہ اونچا دیکھنا پسند کرتی۔ اتحاد اور یک جہتی کی برکت کو خوب سمجھتی تھی۔ کہیں انتظامی جھول دیکھتی تو نیک نیتی اور خلوص سے برملا اصلاح کی کوشش کرتی اگر عملاً کچھ نہ کر سکتی تو دُعا ضرور کرتی کہ ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی ہوتی رہے۔ اُسے منافقت پر بڑا غصّہ آتا۔ ہماری نجی محفلوں میں بشریٰ کے تپ جانے کو "بشریٰ پن" پر اُتر آنا کہتے تھے۔

بشریٰ نے ۱۹۸۹ء میں جلسہ سالانہ کراچی میں خطاب کیا۔ یہ کسی خاتون کا پہلا خطاب تھا جو مَردوں

میں ریلیز کیا گیا۔ ۱۹۹۱ء کے جلسۂ قادیان کے موقع پر حضور پُر نور نے بشریٰ کو یاد فرمایا۔ اور جب بشریٰ کو دیکھا تو فرمایا تم بالکل ویسی ہو جیسی سات سال پہلے تھیں اور لجنہ لاہور کو ارشاد فرمایا کہ آپ بھی سیرت کے جلسے کریں اور بشریٰ کو بلائیں۔ یہ بہت اچھی تقریر کرتی ہیں مگر باہر ایئر بلائیں۔ چنانچہ حضور کے ارشاد کے مطابق لجنہ لاہور نے انتظام کیا اور بشریٰ کو کئی جلسوں میں سیرت کے موضوعات پر تقاریر کا موقع ملا جو بے حد پسند کی گئیں۔ بشریٰ کو ینگ لجنہ کو آگے لانے کا بہت شوق تھا جس کے لئے وہ تربیتی کورسز مرتب کر کے کلاسیں لگاتی اور خود پڑھاتی۔ دیگر بزرگوں کو بھی لیکچر کی دعوت دیتی۔ چنانچہ آخری دن تک اُس کی دعوت الی اللہ کی کلاسیں جاری تھیں۔ وہ اس پُر اثر طریق پر پڑھاتی کہ لڑکیاں گرویدہ ہو جاتیں۔ وہ چاہتی تھی کہ سب احمدی خواتین اپنی سب صلاحیتیں دین کی ترقی میں جھونک دیں چنانچہ بہت سی خواتین جو اب سرگرم عہدیدار ہیں۔ اسی کی تیار کردہ ہیں جنہیں کچھ عرصہ انگلی سے پکڑ کر چلاتے کے بعد جب وہ خود چلنا سیکھ لیتیں تو بشریٰ بہت خوشی اور طمانیت محسوس کرتی۔ کام کرنے میں بعض اوقات کسی کی باتیں بھی سننا پڑتی ہیں ناگوار خاطر باتوں پر نہ صرف خود صبر کرتی بلکہ دوسروں کو بھی تلقین کرتی۔ رقیق القلب تھی اس لئے آنسو تو آجاتے مگر زبان سے کچھ نہ کہتی ہمارے شعبۂ اشاعت میں بعض مراحل بڑے دشوار گزار ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ کہتی خدا تعالیٰ کے کام ہیں کبھی نہیں رکتے۔ زیادہ دُعاؤں کے لئے ابتلا آتے ہیں۔

ایران کے عرصۂ قیام میں مسیحی مشنریوں کی سرگرمیوں اور تبلیغی لٹریچر کی تقسیم کی افراط کا نظارہ کرنے کے علاوہ یہ بھی محسوس کیا کہ جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں غلو کرتے ہیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں حضرت مسیحؑ کی برتری ثابت کرتے ہیں۔ جس کا مسلمان خواتین کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔ کیونکہ کم علمی کے باعث ایسے دلائل نہیں ہوتے کہ حکمت سے جواب دے کر خیر الرسل افضل الانبیاءؐ کی کل نبیوں کا سردار ہونے کی عظمت ثابت کر سکیں۔ حبِّ رسول سے اُبلتا ہوا دل افسردہ ہو جاتا اور نہاں خانۂ دل میں یہ عزم جوان ہوتا رہا کہ خدا تعالیٰ موقع عطا فرمائے تو ایسا لٹریچر بکثرت تیار کیا جائے جو مسلمانوں کو اور غیر مسلموں کو اُس خیر البشرؐ کی بے مثال عظمتوں کا قائل کر دے۔ خواہشات دُعاؤں میں ڈھلتی رہیں اور دعائیں در قبولیت پر دستک دیتی رہیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایسے سامان پیدا فرما دیئے جو اس تمنّا کو عملی جامہ پہنانے کا سبب بنے۔ ۱۹۸۷ء کے اوائل میں ربوہ میں لجنہ کی ایک میٹنگ میں جب حاضر نمائندگان سے صد سالہ جوبلی منانے کے لئے پروگرام مانگا گیا تو بشریٰ نے اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتے ہوئے لجنہ کراچی کی طرف سے سَو کتابیں شائع کرنے کا پروگرام لکھوا دیا۔ اب اُس کے منصوبہ ساز دل و دماغ کی اڑانیں ہفت افلاک پر تھیں واپس آئی تو تمتماتے پُر عزم چہرے کے ساتھ اپنے پروگرام لکھواتے اور مختلف طریق پر روبہ عمل لانے پر دیر تک گفتگو کرتی۔ یوسف کو خریدنا تھا اور دامن میں سوت کی انٹی بھی نہ تھی۔ بشریٰ باٹنی میں ایم ایس سی تھی اور مضمون نگاری کا صرف اس حد تک تجربہ تھا کہ اجتماعات

کے موقع پر سلسلہ کے لٹریچر سے دیئے گئے موضوع پر مواد جمع کر لیتی ۔ خاکسار کو بھی ایم اے فائنل کے لئے ایک مقالہ لکھنے کے علاوہ بہت کم کبھی کبھار اخباروں وغیرہ کے لئے لکھنے کا شوق تھا ۔ دینی علم دونوں کا واجبی تھا مگر ایک چیز دونوں کے پاس وافر تھی اور وہ تھا جنون ۔ مجھے یہ تسلیم کرتے ہیں بڑی طمانیت ہو رہی ہے کہ ابتدا میں ہم نے جو پروگرام بنایا تھا اللہ تعالیٰ کے فضل سے آگے بڑھتا رہا ۔ خاکسار صد سالہ تاریخ مجلس المحراب اور دیگر کتب میں مصروف ہوگئی جبکہ بشریٰ نے اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کرنے کا میدان سنبھالا ۔ سیرت پاک پر ہر دستیاب معیاری کتاب، رسالہ، مضمون کا مطالعہ کرتی ۔ نوٹس لیتی ۔ عنوانات کی فہرست نو سو تک تھی ۔ تیاری کے مختلف مراحل میں ستّر چھوٹی بڑی کتابیں تھیں جن میں اُس کی حیات میں صرف چار شائع ہوسکیں ۔ چشمۂ زمزم، اصحاب فیل، مقدس ورثہ اور پیاری مخلوق اور ان کتب کی افادیت و مقبولیت کا اندازہ میرے قارئین کو مجھ سے زیادہ ہے ۔ اللہ پاک توفیق دے تو اگر اللہ نے چاہا تو باقی کُتب کو بھی شائع کریں گے ۔ بچوں کے لئے نصاب کا ابتدائی خاکہ بھی بشریٰ نے ہی تیار کیا تھا ۔ تیار کر کے مرکز سے منظور کروایا لیکن بعض نکات پر ساری مجلسِ عاملہ کو متفق نہ کر پائی ۔ سخت دل برداشتہ ہوئی ۔ رات کو میرے پاس آئی ۔ آنکھیں بھیگ بھیگ جاتی تھیں ۔ اپنا مؤقف اس شدّت سے اور خلوص سے بیان کیا کہ خاکسار نے اس سے مکمّل تعاون کا وعدہ کیا پھر اللہ پاک کی دی ہوئی توفیق سے اُسی نشست میں ہم نے کونپل، غنچہ، گلدستہ اور گلستانِ احمد کے نصاب کی فائنل ترتیب دے کر کام بانٹ لئے ۔

اس نصاب میں بھی سیرت پر سوال جواب کا سارا کام بشریٰ نے کیا ۔ ہمارا ایک منصوبہ یہ بھی تھا کہ "وہی اُس کے مقرب ہیں" کے نام سے حضرت آدمؑ سے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ تک اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ سے آج تک دو ادوار میں بندوں سے اللہ تعالیٰ کے پیار اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس پیار کا جواب دینے کے ایسے منتخب واقعات جمع کئے جائیں جو اخلاق کی اصلاح اور خدا تعالیٰ کے حصول کی تڑپ پیدا کر سکیں ۔ پہلے حصّے کا کام بشریٰ نے کیا اور کثیر مطالعہ سے بڑے بے نظیر واقعات جمع کئے پھر عنوانات کے تحت ترتیب دے کر منظوری کے لئے بھجوائے ۔ بعض بالا مصلحتوں کی وجہ سے یہ کتاب منظوری حاصل نہ کر سکی مگر اس کے لئے مطالعہ میں اولیاء اللہ کے واقعات نے اس کے قلبِ صافی کو جلا دی اور اُس کے اندر بعض ایسے اوصاف پیدا ہوگئے جو ہم جیسے سطح پر تیرنے والوں کی روز مرّہ عادات سے بہت بلند تر تھے ۔

ننھی مخلوق ہمارا رکھا ہوُا نام تھا ۔ تربیتی فولڈرز کے لئے جو خوبصورت طریق پہ آرٹ پیپر پہ چھپوائے گئے تھے اور تحفۃً دیئے جاتے تھے ان کی ساری تیاری بشریٰ نے کی تھی صرف نام پڑھ کر اندازہ لگائیے کہ دوسروں تک ترسیل کے لئے اُس کے ذہن میں کیا پروگرام تھے ۔ شرائط بیعت، عشقِ خداوندی، عشقِ رسولؐ، عشقِ قرآن، حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی ایک دُعا کی غرض و غایت، کشتیٔ نوح میں کیوں کر سوار ہوں، ہم اپنے خدا کو کیسے راضی کریں، شادی بیاہ کی رسومات، داعی الی اللہ، تربیتِ اولاد کے چھبیس ۲۶ گُر، کلمہ طیبہ،

زندہ مذہب، فنا سے بقا کی منزل، سچا اور زندہ مذہب ہستی کا انقلاب، نجات یافتہ کون ہے؟ ۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں، کہکشاں اور تحریک جدید کے مطالبات، اور ابھی بہت سے زیرِ ترتیب تھے۔

یہ ایک سادہ سی حقیقت ہے کہ لجنہ کی جو خواتین خدمت میں مصروف ہیں اُن کو دین کے لئے وقت دینے کے لئے گھر والوں کا تعاون ضروری ہوتا ہے۔ بشریٰ بہت خوش نصیب تھی اُس کو اپنے شوہر اور بچوں کا مکمّل تعاون حاصل تھا۔ اُس کا سارا گھر خدمتِ دین کی ایک مشین تھا۔ ہم نے "کونپل" لکھی تو صاف صاف لکھوا کر فوٹو سٹیٹ کروا کے پنیں لگا کر ماؤں کو دی گئی کہ بچّوں کو یاد کروائیں۔ اُس دن سے محترم داؤد بھائی صاحب اور بچوں نے کام کرنا شروع کیا اور ہر ممکن تعاون جاری رہا۔ طباعت کے مراحل، تجربہ رکھنے والوں کو بخوبی علم ہوگا۔ بڑے محنت طلب اور صبر آزما ہوتے ہیں۔ اللہ پاک نے ان کو خدمت کی سعادت دی۔ جب شکریہ ادا کرتی تو بڑے رسان سے کہتی "ہم یہ کام تمہارے لئے تو نہیں کرتے اپنے اللہ پاک کے لئے کرتے ہیں۔ دُعا کرو وہ قبول کرے۔" کتابیں ہمیں اپنی مشترک اولاد لگتیں۔ کیونکہ اولاد کی طرح پیار نہ کیا جائے تو کتابیں چھاپنے کا کام ہو ہی نہیں سکتا۔ ابتدا میں ہم اُوپر گیلری میں کھڑے ہو کر دیکھتے کہ کوئی ہماری کتاب خریدتا ہے یا نہیں اور جب کوئی کتاب خرید رہا ہوتا تو ہم بچّوں کی طرح خوش ہوتیں۔ اب جبکہ ہمارے سامنے کتابوں کے چار چار ایڈیشن آ چکے ہیں اور دُنیا کی کئی جگہوں پر جا رہی ہیں اور آئندہ جائیں گی (اگر اللہ نے چاہا تو) تو بشریٰ اس اولاد کو جوان ہوتا دیکھ نہ سکے گی مگر اُس کی یہ رُوحانی اولاد اُس کی دُعاؤں اور جذبے کی طاقت سے اُس کا مشن زندہ رکھے گی۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔

خاکسار کے پاس بشریٰ جیسی صلاحیت نہیں۔ مگر ہمارا کوئی کام کہیں رُکا نہیں اللہ پاک ایسے مددگار ضرور پیدا فرما دے گا جو اس مشن کو آگے بڑھانے میں اور پہلے سے بہتر طریق پر کام کرنے میں اپنا خون شامل کرتے رہیں گے۔ ہم نے اشاعت کے کام میں بڑی دولت پائی۔ مالا مال ہو گئے ہیں۔ پیارے آقا حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع کے دعاؤں بھرے مکتوب ہمیں نہال کر دیتے۔ ہمیں دوسرے محترم بزرگوں کے خطوط ملتے دعاؤں کا یہ سرمایہ بشریٰ ساتھ لے گئی اور فیضانِ جاریہ کی طرح ہمیشہ اُسے اجر پہنچتا رہے گا۔

مجھے علم ہے کہ بشریٰ سے محبت کرنے والوں کو میرا یہ مضمون تشنہ اور بکھرا بکھرا سا لگے گا۔ مگر ابھی دل و دماغ کو یکجا اور یکسو کرنا مشکل ہے۔ اللہ پاک کا شکر ہے۔ میں نے زندگی کا کچھ حصّہ اُس جیسی پاکباز خاتون کے ساتھ گزارا۔ قارئینِ کرام سے ہم سب کے لئے صبرِ جمیل کی دُعا کی درخواست ہے۔ اللہ پاک بشریٰ کو غریقِ رحمت فرمائے۔

دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت
اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

محترمہ طاہرہ محمود صاحبہ ۔ لاہور

محترمہ بشریٰ داؤد صاحبہ

محترمہ بشریٰ داؤد صاحبہ محترم مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب نائب امیر جماعت احمدیہ کراچی کی صاحبزادی اور میری ہمشیرہ حبیبۃ الرحمٰن صاحبہ اہلیہ محترم قریشی مسعود احمد صاحب کے لڑکے داؤد احمد قریشی کی اہلیہ تھیں۔ وہ ۲۰ جولائی ۱۹۹۳ء کو ۴۷ سال کی عمر میں اپنے بوڑھے والدین اور تمام اعزاء و اقارب کو غمگین اور حزیں چھوڑ کر اس دارِ فانی سے رحلت فرما کر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملیں۔

آپ ایک عرصہ سے لجنہ اماء اللہ کراچی میں نمایاں خدمات سرانجام دیتی رہیں۔ آپ بہترین مقررہ ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے اخلاق سے مزیّن تھیں۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ان کی تقریر ہمیشہ دل کی گہرائیوں تک پہنچ جاتی تھی۔ نفسِ مضمون شاندار، اسلوبِ بیان دلکش، لب و لہجہ اور انداز نہایت شیریں اور سامعین کو گرویدہ کر لیتا تھا۔ آپ نہایت منکسر المزاج اور ہر ایک کو خندہ پیشانی سے ملتیں جس کی وجہ سے ہر ملنے والی یہی گمان کرتی تھی کہ وہ سب سے زیادہ مجھ سے پیار کرتی ہیں۔

جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۹۱ء کے موقع پر حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع نے لاہور کی لجنہ اماء اللہ کی عہدیدار ممبرات کو ہدایت فرمائی کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسے بڑے پیمانے پر کروائیں۔ اور کراچی کی سیکرٹری اصلاح و ارشاد محترمہ بشریٰ داؤد صاحبہ کو بلوا کر تقاریر کروائیں چنانچہ حضور کے ارشاد کے مطابق ۱۵ نومبر تا ۲۱ نومبر ۱۹۹۲ء سات دن کے لئے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں کا پروگرام بنایا گیا اور لاہور کی چھ قیادتوں میں انہوں نے سیرت النبی کے موضوع پر نہایت پُرمغز اور مؤثر اور دلوں پر گہرا اثر چھوڑنے والی تقاریر کیں۔ ان جلسوں میں ممبرات لجنہ اماء اللہ لاہور کے علاوہ سات سو پچاس مہمانوں نے شمولیت اختیار کی جنہوں نے تقاریر کو اعلیٰ پایہ کی اور مؤثر ہونے کا اعتراف کیا۔ بشریٰ نے واقعی حضور کے حسنِ ظن کو سچ کر دکھایا۔ چنانچہ بشریٰ کی وفات پر حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع نے فرمایا:-

> "اس نیک خاتون نے اپنے نیک باپ کی تمام نیکیاں حاصل کیں۔ بے لوث خدمت کی۔ انتھک محنت کی۔ ان کو سیرت کے بیان میں حُسنِ تقریر کا خاص اور غیر معمولی ملکہ حاصل تھا کہ ایک تقریر سے ہی مخالفوں کی کایا پلٹ دیا کرتی تھیں۔"

حضور کے یہ تعریفی کلمات سننے کے بعد میں سوچتی رہی کہ بشریٰ کتنی خوش قسمت ہے کہ اس کی کارکردگی کے متعلق امامِ وقت کے کتنے اچھے تاثرات ہیں۔ وہ

صرف اپنے آپ کو ہی زندہ جاوید نہیں کر گئی بلکہ پسماندگان کے لئے بھی اس کا وجود منفعت بخش ثابت ہوا۔ اس کے کارہائے نمایاں کے باعث ان کے والد صاحب نے بھی اپنی زندگی ہی میں اپنے متعلق حضور کے تعریفی کلمات سن لئے۔ میرا قلم میرا ساتھ نہیں دے رہا بلکہ میرا دل ابھی تک اس بات کو قبول نہیں کرتا کہ وہ ہم سے دور بہت دور اپنے پیارے اللہ میاں کے بلاوے پر اس کے حضور حاضر ہو چکی ہے۔

بشریٰ کچھ عرصہ اپنے میاں داؤد احمد صاحب کے ساتھ ایران میں رہیں اور جب پاکستان آتی تو ضرور مجھے ملنے لاہور آتی۔ مجھے باجی کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔ اور کہتی کہ دیکھیں باجی چاہے دو دن کے لئے آؤں مگر آپ سے ملے بغیر جانے کو دل نہیں چاہتا۔ میں ہمیشہ یہ سمجھتی رہی کہ بشریٰ کو میرے ساتھ خاص انس ہے مگر وفات کے روز جو دیکھا تو اپنی نادانی کا احساس ہوا کہ بشریٰ تو سب کی بشریٰ تھی۔ کیونکہ ہر کسی کو یہی کہتے سنا کہ بشریٰ میرے ساتھ بہت پیار کرتی تھی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ منکسر المزاج۔ خوش اخلاق، شیریں گفتار غمگسار ہونے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ہر ایک کو خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے نہایت پیار سے ملتی تھی۔ جس کی وجہ سے ہر ملنے والا اس کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

حضور کے ارشاد کے تحت بشریٰ پندرہ نومبر ۱۹۹۲ء کو لاہور تشریف لائیں اور جاتے جاتے لجنہ اماء اللہ لاہور کے لئے بھی اپنی یادوں کے چراغ روشن کر گئیں۔ یہ ہفتہ آٹھ دن کا قیام میرے ہاں ہی تھا۔ روزانہ کسی نہ کسی حلقہ میں تقریر کرنی ہوتی تھی اس کا معمول تھا کہ رات تقریر لکھنے کے لئے بیٹھ جاتیں اور رات بھر لکھتی رہتیں۔ میں کہتی بشریٰ جان ذرا سو جاؤ آرام کر لو تو ہمیشہ ایک ہی جواب ہوتا کہ باجی میری فکر نہ کریں۔ آپ سو جائیں میرے پاس وقت کم ہے۔ جب بھی کسی نے کہا کہ اپنی جان کا بھی حق ہے اتنا کام نہ کیا کرو۔ تو اس کو یہی جواب ملتا کہ میرے پاس وقت تھوڑا ہے۔ میں حیران تھی کہ یہ مسلسل آٹھ راتوں کو کیسے جاگ کر گزار لیتی ہے اور جو وقفہ دن کے وقت ملتا اس میں کچھ آرام کر لیتی۔ اور کبھی کسی بات پر ہنسی آتی تو کھل کھلا کر ہنستی۔ اس کے قہقہوں کی آواز آج بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ ہر ناگوار بات کو بھی قہقہوں میں ڈبو لیتی تھیں۔ ساری رات جاگنے کی عادت طالب علمی کے زمانہ سے ہی تھی۔ جب سب رات کو سو جاتے تو وہ اس خیال سے کہ میرے رات کو روشنی جلا کر پڑھنے سے والدین اور بھائی بہنوں کو تکلیف ہوگی وہ باورچی خانہ میں بیٹھ کر مطالعہ کیا کرتی تھیں۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

بِقَدْرِ الْکَدِّ تُکْتَسَبُ الْمَعَالِی
وَمَنْ طَلَبَ الْعُلٰی سَہَرَ اللَّیَالِی

کہ جتنی کوئی شخص محنت کرتا ہے اسی کے مطابق وہ بلندیوں کو حاصل کرتا ہے اور جو بلندیوں کو حاصل کرنا چاہتا ہے وہ راتوں کو جاگ کر گزارتا ہے۔

اُس نے اپنا تن من دھن سب کچھ خدمتِ دین کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ ہر وقت کسی نہ کسی خدمت میں سرگرداں رہتی۔ اپنے بچوں کی نہایت شاندار تربیت کی۔ نظام سلسلہ کا احترام اور خدمتِ دین کا جذبہ ان کے دلوں میں بھر گئی۔ پورے کا پورا خاندان خدمتِ دین کا فدائی اور شیدائی نظر آتا ہے۔ اس کی ننھی سی لڑکی

طوبیٰ جس کی عمر ساڑھے نو سال ہے۔ اپنی نانی اماں کو دلاسہ دیتے ہوئے کہنے لگی کہ نانی اماں روئیں نہیں میں امی سے بھی اچھی بیٹی بنوں گی۔ اُن سے اچھی کتابیں لکھوں گی اور تقریریں کروں گی۔ یہ بات بھی بیان کرنی بے جا نہ ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا عربی زبان میں قصیدہ بشریٰ نے اپنی ننھی سی بیٹی کو حفظ کروایا ہوا ہے۔

بشریٰ نے تقاریر و مضامین کے علاوہ تیرہ کُتب بھی تصنیف کیں جن میں سے بعض تحقیقی مضامین پر بھی مشتمل ہیں۔ نہ صرف انہیں تقریر و تحریر میں ید طولیٰ حاصل تھا بلکہ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ نہایت اعلیٰ اخلاق سے بھی مزیّن تھیں۔ حُسنِ اخلاق اور شیریں گفتار کا تو میں پہلے ذکر کر چکی ہوں وہ نہایت اعلیٰ درجہ کی مہمان نواز بھی تھیں۔ کھانا پکانے میں بھی خوب ماہر تھیں۔ پلیٹوں کو سجانا اور نہایت عمدگی سے لگانا اور دلی جذبات کے ساتھ پیش کرنے کے ساتھ باتوں اور قہقہوں سے اس کھانے کی مجلس کو سجانا بھی ان کو خوب آتا تھا۔ گزشتہ سال ماہِ رمضان میں کراچی میں تھی وہ دن بھر لجنہ کا کام کرتیں اور پھر گھر آکر تیس تیس روزہ داروں کا کھانا پکاتیں اور درس سُننے کے لئے جاتے ہوئے افطار کروانے کے لئے ساتھ لے جاتیں۔ رشتہ داروں اور بزرگوں کا احترام اس کے کردار کی نمایاں خصوصیت تھی۔ ہر ملنے والے کو تحفہ دینا بھی سعادت سمجھتی تھیں۔ اگر اس کی کسی بات پر تعریف کی جاتی تو وہ ہمیشہ مزید انکساری اور عاجزی کا اظہار کرتیں۔ انہیں کبھی شیخی بھگارتے یا بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے نہیں سُنا۔ اللہ اللہ کتنی خوبیوں کی مالک تھیں۔ کاشؔ میری قلم ان خوبیوں کا احاطہ کر سکتی۔

میں اس جگہ بشریٰ کے شوہر داؤد احمد کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ بشریٰ کی خوبیوں اور اس کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور ان کو اجاگر کرنے میں اس کا بھی بہت عمل دخل رہا ہے۔ بشریٰ نے اگر اپنے آپ کو لجنہ اماء اللہ اور دین کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا تو اس کی گھر میں غیر موجودگی کو داؤد احمد نے بچوں کو محسوس نہیں ہونے دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ لجنہ اماء اللہ کے کاموں کے سلسلہ میں اسے لے جانا اور واپس لانا اور اس کے ذمّہ جو کام ہوتے تھے ان میں ہاتھ بٹانا بھی اس کا شیوہ تھا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ بشریٰ اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنے کام سر انجام دے گئی جن کا کرنا بظاہر ناممکن اور محال نظر آتا ہے۔

آخر میں دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت الفردوس میں اعلیٰ وارفع مقام عطا فرما دے اور اس کے پسماندگان کا حافظ و ناصر ہو اور انہیں صبرِ جمیل بجا لانے کی توفیق بخشے اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی سعادت عطا فرمائے۔

"یہ احمدی مستورات کا فرض ہے کہ دنیا پر ثابت کر دیں کہ باوجود پردہ کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ہم کسی بھی طرح ترقی کرنے اور نیکیوں کے کرنے سے محروم نہیں رہے۔"

(حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع)

رملہ مودود

آہ! ہماری بشریٰ داؤد

ان کے ساتھ میری جو یادیں وابستہ ہیں وہ بچپن کے دور سے شروع ہوتی ہیں۔ میری پھوپھی محترمہ خورشید عطا صاحبہ بشریٰ باجی کی چچی ہیں اور میری پھوپھی کا گھر ہمارے گھر کے قریب ہے۔ اسی باعث بشریٰ باجی کا پھوپھی کے ہاں اور میرا بھی وہاں آنا جانا تھا۔ ان دنوں بشریٰ باجی یونیورسٹی کی طالبہ اور M.S.C کی سٹوڈنٹ تھیں۔ غالباً میری عمر ابھی اسکول جانے کی نہیں تھی وہ مجھے اس وقت سے ہی بہت پیاری اور اچھی لگتی تھیں۔ اور وہ بھی مجھے بہت پیار کرتی تھیں۔ مجھے یاد ہے وہ مجھے "معصوم کبوتر" کہا کرتی تھیں۔ انہیں بچوں کی معصومانہ باتوں سے شروع سے ہی پیار تھا۔

ایران سے واپس آکر وہ جس دلجمعی اور لگن کے ساتھ جماعت کے کاموں میں شامل ہوئیں وہ سب پر عیاں ہے۔ ان کے انتہائی احساسِ ذمہ داری اور خوش اسلوبی سے ہر کام کو انجام دینے کی وجہ سے جب انہیں جماعت کی اہم ذمہ داری سونپی گئی یعنی انہیں اصلاح و ارشاد کی سیکرٹری بنا دیا گیا تو انہوں نے تادمِ آخر احسن طریق سے اپنی جملہ ذمہ داریوں کو نبھایا۔ ان کا اپنے مولا سے، امامِ وقت اور اپنی جماعت سے جنون کی حد تک عشق اور خلوص تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو بے انتہا مصروف رکھا۔

جب میری ۱۹ دسمبر ۱۹۸۶ء کو مودود احمد قریشی سے شادی ہوئی تو وہ میری سب سے بڑی جیٹھانی بنیں۔ شادی کے بعد شروع کے دنوں میں جب میرے میاں سب رشتہ داروں کے متعلق مجھے بتا رہے تھے تو بشریٰ باجی کا ذکر انہوں نے نہایت عقیدت اور احترام سے کیا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ باجی کی شادی کے وقت وہ چھوٹے تھے اور باجی کی شفقت اور ان کا محبت بھرا سلوک ہی تھا کہ جس کی وجہ سے مودود صاحب کے دل میں ان کے لئے اتنا احترام اور پیار تھا۔

شادی کے بعد میری اور باجی کی رفاقت اور چاہت میں مزید اضافہ ہوا۔ انہوں نے سسرال میں سب کے ساتھ انتہائی شفقت اور خلوص کا رویہ رکھا۔ ہم بالکل دوستوں کی طرح بہنوں کی طرح ایک دوسرے سے اپنے دکھ سکھ اور دیگر مسئلے مسائل بیان کرتے۔ میری انہوں نے شادی کے بعد بہت رہنمائی کی۔ جب ان کے ساتھ ہم مل بیٹھتے تو دل چاہتا دیر تک ہم یونہی باتیں کرتے رہیں۔ ان کا مخاطب کرنے کا انداز بھی بہت دلنشین تھا۔ میری چاند، میری جان، بات کرنے سے پہلے وہ اس طرح سے ہم سے بات کرتیں۔ جب بھی ملنا تو ضرور گلے لگانا اور پیار کرنا، اپنے پاس بٹھانا۔ ہماری اس محبت میں کبھی کوئی غلط فہمی نہ آئی۔ جب میرے محترم سسر مسعود احمد قریشی صاحب کی پچھلے سال وفات ہوئی تو وہ تین راتیں میرے کمرے میں ہی سوئیں بلکہ ہم سوتے کہاں

تھے ساری ساری رات باتوں میں گذر جاتی تھی جس میں وہ خاص طور سے ان کی محبت و شفقت کا ذکر ضرور کرتی تھیں۔

ہماری ملاقاتیں کم ہوتی تھیں مگر جب بھی ہوتیں، بھرپور انداز میں ہوتی تھیں۔ وہ ہم سب کی خیر خواہ تھیں۔ بزرگوں کا نہایت احترام کرتی تھیں۔ بچوں سے بہت پیار تھا۔ چہرے پر ہر وقت ایک دلآویز تبسم اپنی بہار دکھاتا تھا کہ انسان خود بخود ان کی طرف کھینچتا چلا جائے۔

بیمار تو وہ کافی عرصہ سے تھیں اور کافی سیریس بیمار تھیں جس کا علاج ڈاکٹرز نے OPERATION تجویز کیا تھا مگر جماعت کے کاموں کی خاطر ہمیشہ اسے ٹالتی رہیں جس کی وجہ سے ان کی صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی اور وہ بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ مگر مجال ہے جو ان کی کارکردگی میں کوئی فرق پڑا ہو جماعت کے کام تندہی اور لگن سے جاری تھے۔

۱۰ رجولائی ۱۹۹۳ء کو میں اور بچے مودود صاحب کے ساتھ FRANCE روانہ ہوئے۔ جہاں مودود صاحب کی OFFICIAL TRAINING تھی۔ اس دوران بشریٰ باجی کے OPERATION کی تاریخ مقرر ہوئی۔

تشویش تو بہرحال تھی مگر یہ امید بھی تھی کہ ہم خدا کے فضل سے دوبارہ ایک صحت مند بشریٰ باجی سے ملیں گے۔ ہم فون کر کے ان کی OPERATION سے پہلے اور بعد میں خیریت معلوم کرتے رہے۔ ایک دن اتفاق سے مودود صاحب اکیلے ہی فون کرنے چلے گئے اور اس دن تن تنہا انہوں نے یہ روح فرسا خبر سُنی کہ ہماری پیاری بشریٰ باجی کو ہم سے ہمیشہ کے لئے بچھڑے ہوئے چار پانچ روز ہو چکے ہیں۔

مگر مودود صاحب نے مجھے یہ بات نہ بتائی۔ جتنے دن ہم فرانس میں رہے وہ اکیلے ہی اس حادثہ کو برداشت کرتے رہے۔

۲۷ رجولائی ۱۹۹۳ء کو ہم جلسہ سالانہ لنڈن کے لئے فرانس سے روانہ ہوئے HEATHROW AIRPORT پر جماعت کی دین ہمیں لینے آئی۔ دین میں میرے ساتھ ایک جرمن اور ایک SPANISH نو عمر احمدی خواتین بیٹھی تھیں۔ ان سے جماعت کے متعلق باتیں شروع ہو گئیں۔ میں SPANISH خاتون کے خیالات، لگن اور جماعت کے ساتھ اُن کے اخلاص سے بہت متأثر ہوئی اور انہیں بتایا کہ میری ایک جٹھانی ہیں بشریٰ وہ بھی ایک طویل عرصے سے نہایت جانفشانی اور ذمہ داری کے ساتھ جماعت کے امور سنبھالے ہوئے ہیں۔ وہ کہنے لگیں "وہ بشریٰ جن کی وفات پر حضور نے خطبہ جمعہ میں تعزیت کی ہے اور ان کا ذکرِ خیر کیا ہے۔" میں بے اختیار کہہ اُٹھی "نہیں نہیں وہ کوئی اور ہوں گی۔ ان کا OPERATION ضرور ہُوا ہے لیکن اب وہ خدا کے فضل سے خیریت ہیں۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ میرے شوہر نے ان خواتین کو اس موضوع پر بات کرنے سے اشارۃً منع کیا جس پر وہ SPANISH خاتون کہنے لگیں کہ وہ کوئی اور بشریٰ ہوں گی۔ بعد میں میری غیر موجودگی میں جبکہ میں بچوں کے ساتھ جس گھر میں ہمارا قیام تھا داخل ہو چکی تھی اور مودود صاحب سامان اتار رہے تھے ان خواتین نے باجی بشریٰ کی تعزیت کی اور افسوس کا اظہار کیا کہ ہم ان کی BOOKS کے حوالے سے انہیں جانتے تھے۔ بہت اچھی مصنفہ تھیں۔ جس گھر میں ہمارا لندن میں قیام تھا اُس کے اہلِ خانہ کو بھی منع کر دیا گیا کہ مجھ سے

ذکر نہ کریں۔ شام کو یہ خبر مجھے اس وقت سنائی گئی جب ہم پاکستان اپنے بخیریت لندن پہنچنے کا فون کرتے گئے۔ اس روح فرسا خبر کو سُننے کے بعد میں ایک ناقابلِ بیان سی کیفیت میں مبتلا تھی۔ مگر یہ ایک تلخ حقیقت تھی۔ افسوس اور صدمے کے بے اندازہ جذبات کے ساتھ مجھے بہرحال اسے برداشت کرنا تھا۔ کیا اپنے کیا پرائے۔ جلسہ سالانہ لندن میں ہر کوئی بشریٰ باجی کی وفات کا دُکھ محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنے پیچھے ایک ایسا خلا چھوڑ گئیں کہ جسے پُر کرنا مشکل ہے۔ بہت سی ایسی خواتین ملیں جو کہ باجی سے کبھی نہ ملیں تھیں مگر ان کی شدید خواہش تھی کہ علم و فضل میں یکتا اس شخصیت سے ایک بار ضرور ملاقات ہو جائے مگر اب افسوس اور احساسِ محرومی کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔

بشریٰ باجی کی ذات، سیرت، اعلیٰ اور قابلِ قدر جماعتی خدمات کو حضور نے جن شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا وہ الفاظ انہیں رہتی دُنیا تک زندہ جاوید کر گئے۔

آج ان جیسی قابلِ قدر اور محبت کرنے والی ہستی ہم میں موجود نہیں مگر ان کی یادیں، ان کی تصانیف، تقاریر نصائح ہمارے رفیق رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ ان کی سچی خدمات اور پاکیزہ اعمال کو اپنے فضل و رحم سے قبول فرمائے اور انہیں جنت کے اعلیٰ ترین درجات سے نوازے۔

وقفِ عارضی

لجنہ اماء اللہ کی خدمت میں ضروری گذارش

جماعتی تربیت اور اصلاحِ نفس کے لئے وقفِ عارضی کی بابرکت تحریک نہایت ہی مفید اور مؤثر ثابت ہوئی ہے۔ آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ اپنے حلقہ میں زیادہ سے زیادہ خواتین کو دو سے چھ ہفتہ تک خدمتِ دین کے لئے وقفِ عارضی کرنے کی بھرپور تحریک کریں۔ تاکہ جماعت کثیر تعداد میں اس رُوحانی سکیم کی برکتوں سے فائدہ اٹھا سکے۔ اس بارہ میں آپ مکرم صدر صاحب حلقہ و سیکرٹری صاحب تعلیم القرآن و وقفِ عارضی سے بھی تعاون حاصل کر سکتے ہیں۔

وہ خواتین جو اس عظیم رُوحانی تحریک میں شمولیت کی توفیق رکھتی ہوں آپ ان سے فارم وقفِ عارضی پُر کروا کر نظارت کو ارسال فرمائیں۔ فارم وقفِ عارضی مقامی جماعت یا دفتر سے حاصل کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو بہتر سے بہتر رنگ میں خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔

ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد تعلیم القرآن و وقفِ عارضی ربوہ

محمودہ امۃ السمیع ربوہ

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

پہلی مرتبہ بشریٰ داؤد کو احمدیہ ہال میں جلسہ کی کمپیئرنگ کرتے دیکھا۔ شخصیت پُرکشش تھی۔ تعارف بعد میں ہوا۔ جب حضرت امام جماعت احمدیہ الثالثؒ نے منتظمہ کمیٹی بنائی اور اس کی ایک ممبر بشریٰ داؤد کو نامزد فرمایا۔ میں اُس وقت حلقہ ڈیفنس کی سیکرٹری ناصرات تھی۔ جب مجھے قیادت نمبر ایک کی سیکرٹری بنایا گیا تو کام کا تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے بے حد گھبرائی۔ اس گھبراہٹ میں بشریٰ نے بڑی اپنائیت سے حوصلہ بڑھایا اور مدد کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد جب بھی مجھے راہنمائی کی ضرورت ہوتی میں بشریٰ کو فون کرتی یا ہال میں ملنے پر پوچھتی اور وہ ہمیشہ بے حد توجہ سے بات سُن کر اچھا مشورہ دیتی۔
عمر میں وہ مجھ سے چھوٹی تھی لیکن صلاحیت تسلیم شدہ تھی اور اُس کے مشوروں کو آخری فیصلہ سمجھ کر مان لیتی۔ اس کی ڈھال میں رہ کر کام کرنے کا سلسلہ آخری دم تک جاری رہا۔ منتظمہ کمیٹی کے پانچ میں سے ایک رکن کے لاہور منتقل ہونے پر خاکسار کو رکن نامزد کر دیا گیا اور مرکزی ذمہ داری آپڑی۔ ایسے میں اللہ کے فضل وکرم کے ساتھ بشریٰ داؤد کی ہمراہی حوصلہ دیتی رہی۔ کیسٹ پروگرام کی انچارج بنی جب بھی اور جب کیسٹ پروگرام کو شعبہ اصلاح و ارشاد میں ضم کر دیا۔ ہم ایک ساتھ کام کرتے رہے۔ تادمِ آخر بشریٰ اصلاح وارشاد کا کام کر رہی تھی۔ اس رفاقت نے صدمہ کو ناقابلِ برداشت بنا دیا ہے۔ کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا کہ بشریٰ کے ساتھ گزارے ہوئے دنوں میں سے کوئی نہ کوئی یاد سامنے آکر ہوش وحواس کا راستہ نہ روک لے۔ پھر ایک عالم بے خودی میں ماضی میں پہنچ جاتی ہوں۔ کچھ حسین یادیں پیش کرتی ہوں کیونکہ اس کی باتیں دہرا کر دل کو سکون سا ملتا ہے۔

۱۹۸۲ء میں جب حضور کراچی تشریف لائے تو مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ کی صدارت فرمائی۔ ہم قالین پر بیٹھے تھے۔ بشریٰ نے ایک انقلابی پروگرام ترتیب دیا تھا جو حضور کی خدمت میں پیش کرنا تھا۔ مگر حال یہ تھا کہ بشریٰ جیسی بیان پر قادر لڑکھڑا رہی تھی اور خواہ مخواہ لفظ غلط ادا ہو رہے تھے۔ حضور نے بڑی شفقت سے تسلی دی پھر وہ کچھ بہتر پڑھنے لگی۔ حضور نے اس پروگرام کو جس میں کیسٹ، ڈاکٹرز، ٹیچرز، سٹوڈنٹس ایسوسی ایشنز بنانے کا ذکر تھا بہت پسند فرمایا۔

حضور ناصر آباد سے واپس تشریف لائے تو لجنہ نے اس طرح دعوت کی کہ گھروں سے کھانے پکا کر لائیں۔ عاملہ کی ممبرات کے خاوند بھی تھے۔ پیارے آقا نے ازراہ شفقت ہمارے کھانے چکھے۔ بشریٰ کے چہرہ پر رونق کا عالم دیدنی تھا۔ حضور کے کراچی تشریف لانے پر خوشیوں میں بے اندازہ اضافے کے ساتھ ذمہ داریوں اور ڈیوٹیوں میں بھی اضافہ ہو جاتا۔ ایک ملاقات کا انتظام کرانے میں چند بے پردہ خواتین کے اُوپر جانے کے اصرار پر کچھ بدمزگی ہوئی۔ حضور

سے ملاقات میں بشریٰ کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ حضور نے بڑی شفقت سے تسلّی دی۔ بشریٰ کو پیارے آقا کے محبت بھرے الفاظ سے نئی زندگی مل جاتی۔ وہ ہر دُکھ درد بھول جاتی۔ پھر ڈیوٹی کے دوران سخت سے سخت الفاظ برداشت کرنے کا حوصلہ ہو جاتا۔ ڈیوٹی کافی مشکل تھی اور عالم یہ کہ بشریٰ کی گود میں طوبیٰ اور میرا گود میں احسان، برقع پہنا ہوا، تن بدن کی ہوش نہیں۔ مگر اس میں بھی ایک روحانی لُطف ہے جس کے ذائقے کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

کیسٹ پروگرام شروع کیا تو تحریک کی کہ اگر خواتین کچھ محنت کر کے اپنے ہاتھ سے چیزیں بنا کر فروخت سے رقم جمع کر کے کیسٹ خرید کر تحفہ دیں تو حضرت اماں جان سیدہ نصرت جہاں بیگم کی روایت تازہ کی جا سکتی ہے کافی خواتین نے اس پر عمل کیا۔ بشریٰ نے شربت بنا کر بیچا اور اس سے حاصل ہونے والی رقم کیسٹ پروگرام کے لئے دی۔ بشریٰ کو اس پر حضرت صاحب کا تعریفی خط بھی موصول ہوا تھا۔

۱۹۸۳ء میں ملیر ندی کا بند ٹوٹنے پر سیلاب آیا تو اس نے کراچی کی بعض نسبتاً کم وسائل والی آبادی میں تباہی مچادی۔ فوری طور پر خدمتِ خلق کی کارروائی کی گئی بشریٰ نے اس میں یوں حصّہ لیا کہ اپنے بزرگ نانا جان کا ہیضے سے بچاؤ کا ایک نسخہ نکالا اور کئی دن تک کئی لیٹر دوا تیار کرتی رہی جو ضرورت مندوں تک پہنچائی گئی۔

بشریٰ کو بنگ لجنہ کو تعلیم دینے کی شدید لگن تھی۔ پندرہ روزہ کلاسوں سے اس کا دل نہ بھرتا۔ میری تحریک پر اس نے جامعہ احمدیہ کی طرز پر ایک پروگرام ترتیب دیا۔ جس میں میٹرک کے بعد داخلہ دیا جاتا۔ تین چار سال کا کورس جس میں تعلیم حاصل کرنے والیوں کو باقاعدہ انٹر اور بی اے کی طرح ڈگریاں دینے کا پروگرام تھا مکرم مولانا سلطان محمود انور صاحب نے اعانت کی۔ باقاعدہ منصوبہ حضور ایدہ الودود کی خدمت میں پیش کیا۔ کچھ زبانی گفتگو کے بعد پیارے آقا نے بشریٰ کی فائل پر "منظور ہے" تحریر فرما کر اپنے دستخط ثبت کئے۔ بشریٰ کو ایسا جنون سوار تھا کہ لوگوں کو قائل کیا۔ کئی لڑکیوں نے کالج چھوڑ کر داخلہ لیا۔ بہت کامیابی سے کلاس شروع ہوگئی۔ مگر بوجوہ اسے بند کرنا پڑا۔ بشریٰ کو اس کلاس کے بند ہونے کا بے حد دُکھ تھا۔ آپس کے رابطوں کے انقطاع کے خدشہ کے پیشِ نظر بشریٰ نے نیا راستہ نکالا اور ایسے کورسز مرتب کروائے جن کے ذریعے ناظمِ اوپن یونیورسٹی کی طرح کورسز گھروں تک پہنچائے جائیں۔ اس سلسلہ کو اس نے مجاہد ماؤں اور مجاہد بچوں کا نام دیا۔ یہی کورسز بعد میں "تنبیہ" اور "گل" کے نام سے شائع ہوئے۔ وہ قافلہ سالار کی طرح ہر دم چاق و چوبند رہتی۔ ایسا قافلہ سالار جو ہر وقت حالتِ جنگ میں ہو۔ جہاں وہ انقلابی منصوبے سوچتی وہاں دفتر لجنہ کے فالتو پنکھے آف کر رہی ہوتی کاغذ سنبھال سنبھال کر رکھتی کہ اگر ہم اپنا سرمایہ اس طرح ضائع کریں گے تو جماعت کی ترقی کے لئے کیسے خرچ کریں گے اس کو شوق ہوتا کہ [illegible] لئے اپنی تونائیوں کا ہر قطرہ جھونک دے۔ [illegible] میں خرچ [illegible] کو تحفہ دیتی تو بہترین چیز دیتی [illegible] دفعہ چند نایاب سکے، اشرفیاں وغیرہ جو عرصہ سے سنبھال کر رکھی تھیں چندے میں دے دیں۔

بچوں کی شفیق ماں جو ذرا ذرا سی بیماری پر بھی بے چین ہو کر بچوں کی تیمارداری میں رات دن ایک کر دیتی جب بھی سلسلہ کے کام کے لئے کہا جاتا کسی حالت میں حتی الوسع انکار نہ کرتی۔ گھر میں کھانا تیار ہے یا نہیں کوئی بچہ بیمار ہے یا کوئی اور فوری ضرورت وہ سب نظر انداز کر کے فوری طور پر چلی جاتی کام کے لئے نکل آتی۔ وہ تنظام کی اطاعت اپنا فرض سمجھتی۔ اُس نے اپنے سے بڑی عہدے داروں کی ہمیشہ اطاعت اور فرمانبرداری کی اور اپنے سے چھوٹی عہدے داروں کی بے حد پیار سے راہنمائی۔ بشریٰ ہر لحاظ سے عظیم تھی۔

عزیزہ فیضیہ مہدی

عزیزہ فیضیہ مہدی رفیقۂ حیات عزیزم نسیم مہدی صاحب مربی سلسلہ کینیڈا (بنت برادرم مولوی عبدالعزیز صاحب بھامبڑی) کی رحلت پر چند اشعار ارتجالاً۔

نسیم مہدی کی نصف بہتر، عزیز صاحب کی پیاری دختر
بلا لیا ہے اُسی نے اس کو جو ہے خدائے بزرگ و برتر
جو ہو سکا وہ کیا مداوا۔ مگر خدا کی مشیتوں سے
نہیں کسی کو مفر کبھی بھی بڑا ہو چاہے یا ہو وہ کمتر،
مقام اس کا بلند تر ہو ریاضِ خلدِ بریں میں دائم
خدا کی رحمت ہو فیضیہ پر رضائے باری رہے میسّر
نسیم مہدی! یہ آزمائش اگرچہ تجھ پہ کڑی ہے لیکن
رضائے باری پہ ہم ہیں راضی نہیں ہے شکوہ کوئی زباں پر
ہمیں سکھایا گیا یہی ہے ہر ایک حالت میں شکر کرنا
"بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر"

سید سجاد احمد

سلیم شاہجہانپوری

بیادِ بشریٰ داؤد

اخلاق کی پہچان تھیں بشریٰ داؤد
اوصاف کی اک کان تھیں بشریٰ داؤد

توحید پہ تھا جن کو یقینِ کامل
وہ صاحبِ عرفان تھیں بشریٰ داؤد

تھیں یوں تو اِک انسان فرشتہ تو نہ تھیں
لیکن عجب انسان تھیں بشریٰ داؤد

کرتی تھیں بیاں سیرتِ ختمِ رسلؐ
اس نام پہ قربان تھیں بشریٰ داؤد

رخصت ہوئیں آقا کی دعائیں لے کر
خوش بخت وہ مہمان تھیں بشریٰ داؤد

"تاریخ بھی اُن کی نکلی" دختِ حافظ"
اِک خادمِ قرآن تھیں بشریٰ داؤد

خورشید عطا ۔

محبتوں کے قرض

مجھے یاد ہے کہ جب میں بیاہ کر آئی تو مجھے کسی نے مخاطب کر کے کہا" ہم نے آپ کو اللہ تعالیٰ سے بہت دُعاؤں کے بعد حاصل کیا ہے ۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ ایسی چچی عطا کرنا جو ہم سے پیار کرنے والی ہو اور ہمارے پیارے عطو چچا کو ہم سے چھیننے والی نہ ہو ۔ اُمید ہے کہ بلکہ یقین کہ آپ ہم سے اسی طرح پیار کریں گی جس طرح ہمارے عطو چچا ہم سے پیار کرتے رہے ہیں" ۔ میں نے کوشش کی کہ بات کرنے والی کو دیکھوں مگر اس وقت میں خود اپنے حواس میں نہ تھی کچھ نظر نہ آیا کہ کس نے کہا ہے کیونکہ کئی چہرے نہایت چاہت و محبت سے مجھے دیکھ رہے تھے ۔ یہ بشریٰ تھی ۔ محبت کے خزانے لٹانے والی اور دوسروں کو محبت کرنے پر مجبور کرتے والی ۔ جو اس کو ملا وہ مجبور ہو گیا ۔ کہ وہ بشریٰ کی محبت کا اسیر ہو جائے ۔ اس کی شخصیت کا سحر ٹوٹنے والا نہ تھا ۔

اپنی دادی کی سب سے چہیتی پوتی تھی ۔ وہ دن ہی یادگار رہیں جب وہ ایم ایس سی کے آخری سال کے دوران ہمارے پاس آگئی ۔ ان دنوں اس کی چچا سے محبت و عقیدت آشکار ہوئی ۔ دادی سے والہانہ پیار جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ کہا کرتی ۔" اماں جی میں آپ کے پیٹ میں گھس جاؤں" اور پھر وہ ایک ننھی بچّی کی طرح اپنا مُنہ دادی کے پیٹ میں چھپا لیتی ۔ ایک دفعہ اس کا بیگ کثرتِ استعمال سے بوسیدہ ہو گیا اور اس کے ہینڈل ٹوٹ گئے ۔

دادی جان نے انتہائی پیار سے کالے کپڑے کی دو پٹیاں سفید دھاگے سے سی کر بیگ کو لگا دیں ۔ میرا ہنس ہنس کر بُرا حال ہو گیا کہ اماں جی یہ آپ نے کیا کیا ۔ مجھے کہا ہوتا تو کم از کم دھاگا تو کالا سوئی میں ڈال دیتی ۔ صبح دیکھا تو بشریٰ وہی بیگ لئے یونیورسٹی جانے کے لئے تیار کھڑی ہے ۔ میں نے لاکھ سمجھایا کہ بشریٰ میرا بیگ لے جاؤ ۔ وہاں کوئی کیا کہے گا اس بیگ کو دیکھ کر ۔ کہنے لگی جب کوئی کچھ کہے گا یا ہنسے گا تو میں بتا دوں گی کہ یہ میری دادی نے مرمت کیا ہے ۔ بزرگوں کی قدردانی کی ایسی مثال کہاں ملے گی ۔

اسی زمانے میں قناعت کا عالم کبھی آشکار ہوا کبھی اس کو ضرورت ہوتی تو انتہائی لجاجت سے یونیورسٹی جاتے ہوئے آٹھ آنے مانگتی ۔ اس کے آٹھ آنے مانگنے پر مجھے بہت غصّہ آتا ۔ پانچ کا نوٹ تو اس نے کبھی قبول ہی نہیں کیا ۔ کہتی ضرورت ہی نہیں پڑے گی ۔ زائد رقم میں نے کیا کرنی ہے ۔ زبردستی ایک روپیہ بھی دو تو واپسی پر آٹھ آنے واپس کرتی ۔ صبح بغیر ناشتہ کے جاتی واپسی پر اتنی نڈھال ہوتی کہ کھانا کھانے کی سکت بھی اس میں باقی نہ رہتی ۔ پلیٹ میں کھانا نکال کر دیتی تو چند نوالے کھا کر کہتی کہ اب بس باقی شام کو کھا لوں گی ۔ اور شام کو اس کا بچا ہوا کھانا اس کے چچا جھپٹ کر اٹھا لیتے کہ یہ میں کھاؤں گا تم تازہ کھانا لو ۔ اسی کھینچا تانی میں چند نوالے کھاتی ۔ اپنی پسند کی چیز بھی کبھی پیٹ بھر کر نہ کھاتی صرف چکھنے پر اکتفا کرتی ۔ قناعت و صبر کی انتہا تھی ۔

جس کام کا تہیہ کر لیتی وہ رات رات بھر جاگ کر مکمل کرتی۔ وہ زندگی سے بھرپور تھی۔ اور بھرپور انداز سے زندگی گزاری۔ جس کا ہر پہلو مثبت تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی ہر بات پر یقین آجاتا تھا۔

دوسروں کی خاطر ہر وقت قربانی کے لئے تیار، دلجوئی کے لئے پُرخلوص جذبات اور محبت بھرے الفاظ۔ اس نے کٹھن حالات میں بھی حوصلہ نہ ہارنے دیا۔ کس کس کے لئے اس نے کیا کیا۔ اس کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ میاں بیوی کے جھگڑے اس نے نبٹائے۔ بگڑتے گھر اس نے بنائے۔

صائب الرائے اس قدر کہ سسرال میں، میکے میں، لجنہ کے دفتر میں، اپنے حلقوں میں جہاں جہاں بھی وہ رہی اس سے مشورہ کیا جاتا اور اکثر اس کے مشورہ پر عمل کیا جاتا۔

تحریر و تقریر پر تبصرہ کرنا یہاں پر مقصود نہیں لیکن اس کے قلم میں ایک روانی ربط اور منطقی بہاؤ پایا جاتا۔ اور یہی خوبی اس کی تقریر میں تھی۔ بھری محفل میں وہ بیٹھی تقریر تیار کر رہی ہوتی جو اس نے جلسہ کے اختتام پر کرنی ہوتی۔ اس کے خیالات کے بہاؤ میں کوئی چیز خلل نہ ڈالتی۔

عاجزی اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی۔ امتیازی جگہ پر بیٹھنا اس کو بالکل پسند نہ تھا۔ لاکھ کوشش کرو کہ بشریٰ اٹھو کرسی پر بیٹھو مگر اس کا کہنا یہی تھا کہ "میں یہیں ٹھیک ہوں"۔ ملتی تو بازو پھیلا کر میری جان کیسی ہو۔ میری چاند کہاں ہو۔ اس کا اندازِ پذیرائی کہاں سے لاؤں۔ ہر پھر کر اکٹھا بہ ہال میں ملاقات پر وہ بازو پھیلا کر خوشی سے جیسے چیخ پڑتی "چچی جان ... مٹھو چچا کیسے ہیں"۔ اور یہیں دفتر میں اس کے اس انداز سے خوشی فخر اور جھینپ

کے ملے جلے جذبات سے جیسے لرزسی اٹھتی" خدا یا نظر نہ لگے ہمارے پیار کو۔ میرے ساتھ یا اپنے چچا کے ساتھ کیونکہ چچا کی ہی وساطت سے مجھ سے تعلق قائم ہوا تھا ایک انوکھا پیار کا انداز تھا جس میں ایک فدائیت تھی ایک والہانہ پن تھا جس کا اظہار اس کی ایک عظیم قربانی سے ہوتا ہے۔ کم از کم میرے لئے اس قسم کی اور مثال پیش کرنی ممکن نہیں۔

شادی کے بعد جب اس کے ہاں ناصر کی پیدائش کی امیدواری ہوئی تو اس نے اپنی امی اور اپنی ساس کو لکھا کہ میں نے شادی سے قبل اپنے اللہ سے عہد کیا تھا کہ جب تو مجھ کو اس قابل کرے گا تو میں اپنی پہلی چیز اپنے چچا چچی کو دے دوں گی۔ اور مجھ کو کوئی اس پیشکش سے نہ روکے۔ کیونکہ یہ اس بہ عہد کے نتیجے میں ہے اور یہ میرے پاس ان کی امانت ہے.... اور قائل کرنے کی خاطر اس نے خوب لمبا چوڑا خط لکھا۔ اماں جی اور میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا مگر اس کے چچا نے کہا کہ تم بھی ہماری بیٹی ہو۔ تمہارے بچے ہمارے بچے ہیں۔ تم نے سنتِ ابراہیمی کی یاد کو تازہ کیا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اس قربانی کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے جس حال میں رکھا ہم اس میں ہی مطمئن ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اولاد کے قابل نہیں سمجھتا تو ہم اس کے ارادوں میں حائل نہیں ہونا چاہتے۔ اس کی رضا پر راضی ہیں۔ اس کے جواب میں اس نے جو خط لکھا وہ آج بھی میرے پاس ہے۔ دل چاہتا ہے کہ سارا یہاں نقل کر دوں۔ وہ اب بھی "آپ کا ناصر" کہتی تھی۔ اور ناصر کو بھی خوب باور کروا دیا ہوا ہے کہ وہ ہمارا بیٹا ہے۔ حالانکہ مجھے ناصر، طاہر دونوں یکساں طور پر عزیز ہیں کہ وہ

بشریٰ کے بیٹے ہیں۔ طوبیٰ کا خیال تو دل سے محو ہی نہیں ہوتا۔

وضعداری اور رکھ رکھاؤ میں اپنی ہمت سے بڑھ کر تھی۔ عید الفطر پر اپنے چاہنے والوں کو ضرور یاد رکھتی حتی المقدور سب کے گھروں پر عید ملنے چند منٹ کے لئے ہی سہی ضرور جاتی۔ آخری عید پر شومئی قسمت کہ ہم گھر پر نہ ملے۔ ہم بھی عید ملنے نکلے ہوئے تھے۔ آگے آگے ہم تھے اور پیچھے پیچھے وہ۔ ملاقات نہ ہو سکی۔ البتہ شیر خرما کا حصہ ضرور پہنچ گیا۔

صبر و شکر کا مجسمہ تھی۔ صبر کے دنوں میں مثالی صبر دکھاتی۔ کسی کو علم بھی نہ ہوتا کہ کیا گزر رہی ہے۔ اور جب شکر کا مقام آتا تو معلوم ہوتا کہ سب کو ہی یاد رکھتی۔ سب کچھ بانٹنے پر تُل جاتی۔

توکل بھی مثالی تھا۔ کبھی پریشانی کا اظہار نہ کرتی۔ ایسے دنوں میں یوں ہنستی گویا کچھ کھویا ہوا مل گیا ہے۔ کہتی میرا مولا جلد فضل کرے گا۔ جس نے پہلے فضل کیا تھا اب بھی کرے گا۔ دیر سویر ہو ہی جاتی ہے آزمائش کے لئے میرا مولا مجھے پورا اتارے گا۔

سلیقہ شعاری میں بھی وہ ایک مثال تھی۔ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے کترنوں سے خالی اوقات میں (جب دل بہ یار ہوتا اور ہاتھ بہ کار) ان کو جوڑ کر خوبصورت رلیاں بناتی۔ پرانے کپڑوں کو نئے انداز میں بدل دیتی۔ ساڑھیوں کے سوٹ بناتی۔ کوئی چیز ضائع نہ کرتی۔

شادیوں میں کھانا ضائع کرنے والوں پر اسے بے حد غصہ آتا۔ اکثر کہتی کہ ایران کی تباہی کی ذمہ داری اس بات پر بھی ہے کہ وہاں کے لوگ کھانا بہت ضائع کرتے تھے۔ بچا ہوا کھانا کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیتے۔ گھر میں ذرا ذرا سا کھانا جو بچے چھوڑ دیتے ہیں اس کو خود کھاتی تاکہ ضائع نہ ہو۔ بچوں کو بھی یہی عادت ڈالی کہ جتنا کھانا ہے اتنا ہی ڈالو۔

اپنے بچوں کی تربیت کے لئے اس کا عملی نمونہ ہی بہت کافی ہے یوں بھی انہیں سمجھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی۔ ان سے کہتی کہ ہم حالتِ جنگ میں ہیں۔ ہمیں بہت کام کرنا ہے۔ گھریلو مصروفیات کو اعلیٰ مقاصد میں حائل نہ ہونا چاہیئے۔

محبت کا دوسرا نام حوری ہے۔ اپنے والد صاحب سے محبت و عشق کے درجہ کو پہنچی ہوئی تھی۔ اگر کبھی بھائی جان گھریلو معاملات کے لئے وقت نہ نکال سکنے پر توجہ دلاتیں تو بشریٰ کہتی امی میرے معصوم ابا جان کو کچھ نہ کہا کریں۔ آپ کو نہیں معلوم وہ کیا چیز ہیں۔ ان کے ابا جان محترم بیگ صاحب نے ایک بار اپنے گھر میں ایک نجی محفل میں ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے چار بیٹیاں دیں۔ ہر بیٹی کی پیدائش پر فطری طور پر خواہش پیدا ہوتی کہ اگر اللہ تعالیٰ بیٹا دیتا تو میرا بازو بنتا۔ میری مدد کرتا اور میری ذمہ داریاں SHARE کرتا۔ مگر اب میں سمجھ گیا ہوں کہ باپ کا نام صرف بیٹے سے ہی روشن نہیں ہوتا بلکہ بیٹیاں بھی خاندان کے نام کو روشن کرتی ہیں۔ میری بشریٰ میری ہمنوا۔ مددگار، مشیر اور میرے لئے قوت ہے۔ اس کی وفات کے بعد یہ حقیقت پوری دنیا میں ایک گونج بن کر ابھری کہ حضور نے باپ بیٹی کو ایک دوسرے سے مماثل قرار دیا۔

یہ کیسی موت تھی کہ جس پر حوری کی وفات کے تیسرے دن جب عام لوگ سوئم کے لئے جمع ہوتے ہیں سارا کراچی ان کے گھر پر مبارک باد دینے امڈ آیا۔ اور خاندان کا ہر فرد فخر کے جذبات سے سرشار ہو گیا کہ پیارے آقا نے جو اس کو

خراجِ تحسین پیش کیا۔ اس پر کتنے ہی لوگوں نے اس شرط پر فوراً مر جانے کی خواہش کی کہ اگر حضور ہمارے لئے اس سے آدھے الفاظ بھی فرما دیں۔

میری بھتیجی عزیزہ شکیلہ طاہر نے پیاری بشریٰ کے نمازِ جنازہ میں شمولیت کے بعد جب گھر آئی تو اپنی چھوٹی بہن مریم کو گھر پر اور ہال کا منظر بیان کیا۔ اور اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار تھے۔ مریم نے گفتگو کے دوران اپنے کرب کا حال بیان کیا تو شکیلہ کہنے لگی کہ بشریٰ باجی کی وفات کا مجھے تو بالکل افسوس نہیں۔ اس کا انجام انتہائی بخیر ہُوا۔ اگر مجھے ایسا انجام ملے تو میں فوراً مر جاؤں۔ ایسی خوبصورت شاندار موت ہر کسی کا مقدر نہیں ہو سکتی۔

بہن بھائیوں سے عشق کی حد تک محبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے حصّے کی ہر چیز اس بہن یا بھائی کی پلیٹ میں ڈال دیتی جس کی وہ پسندیدہ چیز ہوتی۔ مثلاً نصرت نے بتایا کہ وہ اپنے حصّے کی مچھلی مجھے دے دیتی کہ تم کھا لو۔ میرا دل نہیں چاہ رہا۔ گوشت کی بوٹی بھائی کی پلیٹ میں ڈال دیتی کہ میرا موڈ نہیں، میرے دانت میں پھنس جاتی ہے۔ اپنے حصّے کا فروٹ دوسری بہنوں کو بہانے سے دے دیتی۔

بہن بھائیوں میں بڑی ہونے کے ناطے اس نے ان کی تربیت کا بھی خیال رکھا۔ سرزنش بھی کرتی۔ سختی بھی کرتی۔ مگر یہ سب بھی محبت کے کرشمے ہی تو تھے کہ دوسروں کی اصلاح کی طرف تربیت کی طرف توجہ دی جائے۔ کم سے کم وسائل کے دَور میں گزارے ہوئے دن اس کی شخصیت کو نکھار گئے۔ آسائش کے دَور میں بھی سلیقہ شعاری اس کا طرۂ امتیاز رہی۔

ان کی خالہ مریم بتاتی ہیں کہ ان کے پہلے بچے جاوید کی پیدائش کے بعد جب وہ بھابھی جان سے ملنے جاتیں تو بشریٰ فوراً جاوید کو سنبھال لیتی اور کہتی کہ اب آپ سو جائیں آپ بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔ میں اس کو دیکھ لوں گی۔ وہ اطمینان سے سو جاتیں اور تازہ دم ہو کر گھر لوٹتیں۔ نہ صرف یہ کہ خاندانی تعلق کی بناء پر وہ سب کرتیں بلکہ وہ جس سے تعلق رکھتی اس سے روحانی تعلق بھی رکھتی۔ مریم بتاتی ہیں جب وہ ایران میں تھیں اور وہ کبھی اپنے بیٹے پر سختی کرتیں اور پیٹ دیتیں تو بشریٰ کا فون آجاتا۔ مریم خالہ آج آپ نے پھر جاوید کو مارا۔ وہ پوچھتیں تمہیں کیسے علم ہُوا۔ بشریٰ جواب دیتی کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ اسی طرح وہ فرماتی ہیں کہ وہ نہ صرف سچی خوابیں دیکھتی بلکہ تعبیر الرؤیا کا ملکہ بھی اس کو حاصل تھا۔ اس کی ایک سچّی خواب جو اس نے اپنی زندگی کے بارہ میں ۲۳ جنوری ۱۹۷۳ء میں ایران میں دیکھی۔ جس کو پڑھ کر میں سخت پریشان ہو گئی۔ مگر بعد میں وہ بھول گئی۔ آج اس کے اس خط سے میں وہ حصّہ یہاں نقل کر رہی ہوں:۔

" اباجی (اپنے دادا جان کو وہ پیار سے اباجی کہتی تھی) کے مزار پر کوئی گیا کہ نہیں۔ میں نے انہیں پھر خواب میں دیکھا ہے۔ بہت اچھے ہو رہے ہیں۔ میں کہتی ہوں کہ اباجی اب میں نہیں جانے دوں گی۔ یا تو آپ میرے ساتھ رہیں نہیں تو میں آپ کے ساتھ رہتی ہوں۔ تو۔ مان جاتے ہیں کہ اچھا تم میرے ساتھ رہو۔ لیکن بیٹا میرے پاس بڑا گھر نہیں ہے۔ تو میں کہتی ہوں اباجی مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ بس ہم چھوٹی سی جھونپڑی یا گھر بنا لیں گے اور مل کر رہیں گے۔ میں آپ سے کچھ بھی نہیں مانگوں گی۔ بس اب ہم دونوں اکٹھے رہیں گے اور میں اباجی سے لپٹ جاتی ہوں۔

اس دن سے میں بہت خوش ہوں کہ اب ہم ساتھ رہیں گے۔

اس کے بعد لکھتی ہے۔ "سب رشتہ داروں کو سلام۔ اماں کے پیٹ میں میری جگہ گھس جائیں۔" یہ اس کا دادی سے شدید پیار کا اظہار ہوتا تھا۔ یونیورسٹی سے آتی کتابیں رکھیں اماں جی کی گود میں سر رکھ کر پیٹ میں منہ گھسا کر کافی دیر لیٹی رہتی اور وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی جاتیں اور "ماں صدقے۔ ماں صدقے اٹھ منہ ہاتھ دھو اور کھانا کھا۔" سونے وقت بڑی باقاعدگی کے ساتھ اس وقت تک جاگتی رہتیں جب تک بشریٰ پڑھتی رہتی۔ جب پڑھ چکتی تو اسے روزانہ کہتیں جاؤ اب ہاتھ روم جاؤ۔ اب دودھ پی لو جو وہ کبھی نہ پیتی۔

خوابوں کی بات چلی نکلی تو اپنے بارے میں بھی بتا دوں کہ جب بھی ہم پریشان ہوتے وہ خواب میں دیکھ لیتی تھی۔ اور پھر پوچھتی کہ کیا بات ہے۔ اور بہت پریشان ہوتی۔ تسلی دیتی۔ سمجھاتی جیسے کہ وہ بڑی ہے اور ہم چھوٹے۔

میں جو اس کی چچی ہونے کے ساتھ دوست بھی تھی اور رازدان بھی۔ اس نے کبھی کوئی شکوہ نہیں کیا۔ اس کی وفات کے بعد ایک خاتون جو بشریٰ کے سسرال سے قریبی تعلق رکھتی ہے تعزیت کے لئے آئی۔ اسے علم ہوا کہ میری بھتیجی عزیزہ رملہ بشریٰ کی دیورانی ہے تو بڑی حیران ہوئی۔ کہنے لگی۔ آپ نے پہلے بشریٰ کا رشتہ دیا۔ پھر دوسرا بھی اسی گھر میں کر دیا۔ میں نے کہا اس میں کیا قباحت ہے بشریٰ نے کبھی اپنے سسرال کی کوئی بات ہی نہیں کی ہم تو ان کے گھر کو جنت ہی سمجھتے ہیں۔ تو وہ پھر خاموش ہو رہی۔ اس کی چھوٹی دیورانیاں عزیزہ نبیلہ اور عزیزہ رملہ کا رونا نہیں دیکھا جاتا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ ان کی سگی بہن جدا ہوئی ہو۔ اس کی وفات پر نبیلہ روتی جاتی تھی اور کہتی تھی "اللہ ہی سہارا ہے۔ اللہ ہی سہارا ہے۔" گویا دونوں بشریٰ کو اپنا ہمدرد پُرخلوص دوست اور سہارا سمجھتی تھی۔ اپنے دیور محمود قریشی صاحب کے بارہ میں تو اکثر کہا کرتی۔ محمود میں تو بزرگوں کا رنگ پایا جاتا ہے۔

عزیزم مشہود اور بشیر تو اس کے دیوانے تھے جیسے سگی بہنوں سے الفت کا اظہار کیا جاتا ہے کرتے تھے۔ اپنی بہن انیسہ اور بشریٰ میں کوئی فرق نہ کرتے۔ ابھی پچھلے رمضان المبارک کی بات ہے۔ خطبہ کے بعد میں اس کی ساس آپا جمیلہ سے ملی تو رو رہی تھیں۔ میں گلے ملی تو ہچکیاں بندھ گئیں۔ میں نے پوچھا خیر تو ہے کیا ہوا تو بولیں میرا دودی۔ میرا دودی۔ اللہ اس کا گھر اجڑنے سے بچالے۔ اللہ اس کا گھر اجڑنے سے بچالے۔" میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اللہ خیر کرے کیا ہوا۔ بولیں میری بچی، میری بچی..... بہت بیمار ہے۔" اور پھر رونے لگیں۔ دلاسہ دیا کہ اللہ خیر کرے گا فکر نہ کریں۔ دعا کریں۔ بشریٰ کو فون کیا تو کہنے لگی کوئی نئی بات تو نہیں وہی بیماری جو بار بار ہوتی ہے پھر ہو گئی ہے۔ میں نے کہا اب تو اپریشن کروا ہی لو۔ خون کی کمی زیادہ ہو گئی تو مشکل ہو جائے گی۔ اسے جیسے خبر تھی۔ اتنی بہادر مگر اپریشن کے نام سے اس کی روح فنا ہوتی تھی۔ ہم سب جو اس کو مجبور کرتے تھے کہ اپریشن کروالو۔ آج اس کی روح کے سامنے شرمندہ اور چور بنے بیٹھے ہیں۔ پیاری تھوڑی ہمیں معاف کر دو۔

بشریٰ کی وفات کے بعد بھائی صاحب (بیگ صاحب) فرمانے لگے مجھے افسوس ہے میں بیگم پر غصہ کرتا کہ بشریٰ سے اتنی لمبی لمبی گفتگو فون پر نہ کیا کرو۔ حالانکہ ان کے لئے بشریٰ سے باتیں کرنا ایک غذا تھی بلکہ دوا تھی۔ اس سے باتیں کر کے ان میں قوت آجاتی تھی۔ واقعی بشریٰ اپنی

والدہ کے لئے کیا تھی۔ وہ کہتی ہیں کہ میری زبان کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ بیگ صاحب سے کسی مسئلہ پر بات کرنی ہوتی تو میں بشریٰ سے کہلواتی۔ کسی بچے کو کوئی نصیحت کرنی ہوتی تو میں بشریٰ سے کہتی۔ کسی بچے کو ڈانٹنا ہوتا تو میں بشریٰ کو کہتی۔ اس کی زبان میں تاثیر تھی۔ جو بات میں نہ سمجھ سکوں وہ احسن رنگ میں سمجھا دیتی۔ اب میں کس سے بات کر سکوں گی۔ کس طرح اپنا ما فی الضمیر سمجھا سکوں گی۔ میرا سہارا تو اللہ تعالیٰ ہی تھا اور ہے اور ہوگا مگر وہ ایک واسطہ تھی۔ جس کے ذریعہ میں جی رہی تھی۔ یہ ان کی انکساری ہے۔ بشریٰ نے جو کچھ پایا، سیکھا وہ والدہ کی تربیت ہی تو تھی۔ ہاں ہر بچے نے اپنے ظرف کے مطابق سیکھا۔ اور سیرت کے موضوع نے اس کی سیرت کو بھی نکھار دیا۔ نیک فطرت۔ والدین کی تربیت اور احمدیت کی برکات ذیلی تنظیموں کے ذریعے اس میں اس طرح رچ بس گئی تھیں کہ وہ ایک چلتا پھرتا نمونہ تھی۔ سیرت کے ایک جلسہ میں اس کی تقریر سن کر ایک غیر از جماعت نے بڑے شوق سے فرمائش کی کہ میں اس خاتون کی والدہ سے ملنا چاہتی ہوں۔ ان کو مبارک باد دینا چاہتی ہوں۔ واقعی اس کی والدہ لائق صد مبارک باد ہیں کہ ان کی کوکھ سے بشریٰ نے جنم لیا۔ اس کی وفات پر ان کا صبر دیکھ کر یقین آجاتا ہے کہ واقعی وہ بشریٰ ہی کی والدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کو صبر کا اجر تو زندگی میں ہی عطا فرما دیا ہے پھر بھی بشری تقاضے کے تحت دل ناصبور کی بے قراریاں کبھی کبھی تو تڑپا ہی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے۔

بشریٰ کی شخصیت جو کچھ آج بنی ہے اس میں ان کے شوہر کا برابر کا ہاتھ ہے۔ اس کی صلاحیتوں کو نکھارنے میں انہوں نے بھی بہت محنت کی بہت قربانی دی۔ انہوں نے اس کی حقیقی معنوں میں قدر کی۔ اس کی شخصیت کو جلا بخشی۔ آپس میں بے انتہا ہم آہنگی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی ضروریات کا بے انتہا خیال رکھتے۔ اگر بشریٰ رات کے چار بجے تک لکھتی رہتی ہو پھر عبادت سے فارغ ہو کر سوتی تو ان کے شوہر نے ان کو صبح کبھی نہیں جگایا۔ خود ہی بچوں کا ناشتہ تیار کر کے انہیں اٹھاتے کھلاتے۔ اور سکول بھجواتے۔ اس کی وفات سے کچھ عرصہ قبل نصرت ان کے ہاں گئی اور رات ٹھہر گئی۔ صبح اس کو بھی کچھ نہیں کرنے دیا اور اپنی ڈیوٹی ادا کی۔ عزیزم طاہر کہتا ہے ہمارے ہاں دو بندوں کو زبردستی کھلانا پڑتا ہے۔ ایک طوبیٰ کو دوسرے امی کو جو صرف ابا ہی کھلا سکتے ہیں۔

بشریٰ کے مشن میں بچوں نے برابر کا حصہ لیا۔ دورے سے دفع پر پہنچانا۔ لانا۔ خندہ پیشانی سے محبت سے اس کی جماعتی سرگرمیوں میں ساتھ دینا۔ شعبہ اشاعت کی ابتدا سے لے کر آج تک انہوں نے بے حد محنت کی۔ اپنے کام کو پس پشت ڈال کر مدد کی۔ اشاعت کے کام کی داغ بیل ڈالنے والی پس منظر میں چلی گئی مگر لکھنے لکھانے کا کام اسی تندہی سے کرتی رہی۔ اکثر [illegible] کریں سو کتابیں ہو جائیں۔ میں کہتی تم تو دیوانی ہو [illegible] وہ دیوانی ہی تھی۔ اپنے مشن کی تکمیل کی خاطر ؎

عاقل کا یہاں پہ کام نہیں وہ لاکھوں بھی بے فائدہ ہیں
مقصود میرا پورا ہو گر دو جائیں مجھے دیوانے دو

شعبہ اشاعت کی دو ذیلی [illegible] ناصر اور پیاری حوری نے [illegible] کر دکھایا۔ [illegible] شعبہ اشاعت کا نام حضرت میں اس سلطان القلم کے صدقے تعارف ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ پیاری باری کو نظر بد سے بچائے۔

امۃ الرشید غنی۔ کراچی

خُوش خِصال بُشریٰ

عزیزہ بشریٰ داؤد صاحبہ لجنہ کراچی کی رُوحِ رواں۔ سرگرم کارکن۔ خدمتِ دین سے سرشار۔ ہمت و عظمت کا پہاڑ ہر ایک کی حوصلہ افزائی کرنے والی۔ محبت و شفقت کا مجسمہ عاجزی و انکساری کا پیکر۔ ہر جلسے پر محفل کی رونق۔ تحریر و تقریر کی دھنی۔ دل چاہتا تھا بشریٰ بولتی جائیں اور ہم سُنتے جائیں۔ والدین کی ہمدرد و غمگسار۔ بہن بھائیوں پہ جان چھڑکنے والی، سسرال میں ہردلعزیز۔ شوہر کی چہیتی۔ بچوں کے لئے شفیق اور بہترین تربیت کرنے والی ماں۔ شیریں زبان، بڑوں کا عزت و احترام کرنے والی۔ چھوٹوں سے بے حد پیار کرنے والی۔ احکامِ شریعت کی پابند۔ اللہ کے حضور بھی حاضر ہوئیں تو برقع اوڑھے تھیں۔ عزیزہ جبیں نے بتایا کہ بشریٰ باجی کو گھر لانے کے بعد ہم نے ان کا برقع اتارا ہے۔ سب کے لئے نیک نمونہ۔ یقین نہیں آتا کہ اتنی پیاری بشریٰ اللہ کو پیاری ہو چکی ہے۔

بشریٰ کو کئی سال سے تکلیف تھی۔ ڈاکٹر آپریشن کے لئے کہتے تھے مگر ٹالتی جا رہی تھیں۔ جیسے کوئی انجانا سا خوف ہو۔ اس دفعہ حضرت چھوٹی آپا جان صاحبہ اپنے علاج کے لئے کراچی تشریف لائیں۔ تو انہوں نے بھی سمجھایا کہ بیماری کو مت بڑھاؤ۔ آپریشن کروا لو۔ بشریٰ کہتی تھیں کہ اب تو انکار کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ میں نے ہاں کہہ دی۔ آپریشن کامیاب ہوا۔ دن بدن پہلے سے بہتر ہو رہی تھیں۔ میں ان کی امی سے فون پر حال پوچھتی رہی۔ جمعہ کی نماز کے بعد بھائی مجید کے ساتھ میں اور بھائی جان ہسپتال گئے۔ دیکھتے ہی کہنے لگیں۔ اچھی باجی! میں نے آپ کو کہلوایا بھی تھا کہ آپ تکلیف نہ کریں۔ آپ پھر بھی آگئیں۔ ہم تھوڑی دیر بیٹھے باتیں کرتی رہیں۔ دوسرے لوگ آ رہے تھے۔ جگہ تنگ تھی۔ ہم آنے لگے۔ میں نے کہا بشریٰ! اب آپ گھر آجائیں گی تب ہی آؤں گی۔ کہا "اللہ آپ کو جزاء دے۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔" اس کے بعد کبھی فون پر اور کبھی ان کے سسرال کے عزیزوں سے حال پوچھتی رہی۔ ہمیشہ تسلّی بخش جواب ملتا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہتر ہو رہی ہیں۔ بس ایک دو دن میں گھر آنے والی ہیں۔

اگلی منگل کو ڈاکٹروں نے ہر طرح تسلی کرنے بعد چھٹی دے دی۔ دوپہر دو بجے کے بعد تیار ہوئیں۔ نرسوں سے گلے مل کے سب کا شکریہ ادا کیا۔ اپنی امی کے ساتھ لفٹ سے نیچے آئیں۔ عزیز داؤد احمد گاڑی نزدیک لانے کے لئے گئے۔ اتنی سی دیر میں ہارٹ اٹیک ہوا۔ فوراً ایمرجنسی میں لے گئے۔ وہاں دوسرا اٹیک ہوا۔ اونچی آواز سے "اللہ" کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اللہ تعالیٰ غمزدہ والدین اور عزیز و اقارب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اس کے بچوں کا خود حافظ و ناصر ہو۔ جمعہ والے

تعزیتی قرارداد بر وفات
محترمہ فیضیہ مہدی صاحبہ
اہلیہ
مکرم نسیم مہدی صاحب

ہم ممبرات مجلس عاملہ لجنہ اماء اللہ پاکستان محترمہ فیضیہ مہدی صاحبہ اہلیہ مکرم نسیم مہدی صاحب مربی انچارج کینیڈا کے سانحہ ارتحال پر ان کے والدین، ان کے شوہر اور جملہ عزیزوں کے ساتھ تعزیت کرتے ہوئے انتہائی رنج و غم کا اظہار کرتی ہیں۔ یقیناً ہم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں

محترمہ فیضیہ مہدی صاحبہ کی رحلت کے ساتھ لجنہ کے گلشن کا ایک اور گلِ رعنا بادِ سموم کی نظر ہو گیا۔ ابھی تو محترمہ بشریٰ داؤد صاحبہ کا غم تازہ تھا۔ کہ ایک اور چرکا لگ گیا۔ مگر جانے والوں کو کہاں کوئی روک سکا ہے اور پھر بلانے والا بھی تو سب سے پیارا ہے۔ ہماری بہن اُس خوش بخت گروپ میں شامل ہو گئی ہیں جن کی وفات کو امامِ وقت نے محسوس کیا۔ اُن کے اخلاقِ حسنہ، نیکی و پارسائی کا ذکرِ خیر فرما کر انہیں زندہ و جاوید کر دیا۔ اور لندن میں نمازِ جمعہ کے بعد جنازہ غائب پڑھایا۔ دن پیارے آقا ایدہ اللہ تعالیٰ نے عزیزہ بشریٰ کی نمازِ جنازہ غائب پڑھانے سے پہلے جس طرح محبت بھرے دعائیہ الفاظ میں ذکر کیا۔ ہر مومنہ کی آنکھ اشکبار تھی۔ اور ہر دل میں حسرت تھی کہ کاش! آج بشریٰ کی جگہ میں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ بشریٰ سے بہت ہی پیار، محبت اور بخشش کا سلوک فرمائے۔ اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ہم سب دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ فیضیہ مہدی صاحبہ کے پسماندگان کو صبر کے ساتھ راضی بہ رضا رہنے کی توفیق بخشے۔

صدر لجنہ پاکستان و جملہ ممبرات مجلسِ عاملہ پاکستان۔

"بہت دُعا کرو۔ اور رونا اور گڑگڑانا اپنی عادت کرلو۔ تا تم پر رحم کیا جائے۔ سچائی اختیار کرو سچائی اختیار کرو کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارے دل کیسے ہیں۔ کیا انسان اس کو بھی دھوکا دے سکتا ہے۔"

(حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ)

قوم کی بیٹی

جلسہ سالانہ کراچی ۱۹۸۹ء کے موقع پر — اصغری نورالحق

کراچی کی جماعت کو مبارک جلسہ سالانہ
چلے آئے جہاں احباب سارے مثلِ پروانہ

بحمداللہ قبولِ حق ہوئی خدام کی محنت
یہ عجز و انکسار اطفال کا، انصار کی عظمت

انہی کے دم سے دنیا میں اُجالا ہونے والا ہے
محمدؐ کا جہاں میں بول بالا ہونے والا ہے

مبارک ہو تجھے لجنہ تعین تیری ہستی کا
کہ تو بھی نصف بہتر ہے یہاں انساں کی بستی کا

تیری چھوٹی سی دنیا میں یہ کیا انقلاب آیا
کہ مستورات کی جانب سے مردوں میں خطاب آیا

امام وقت کے نائب نے جو اِک خواب دیکھا تھا
کتاب احمدیت کا حسیں اِک باب دیکھا تھا

انہی خوابوں کی اک تعبیر ہے یہ قوم کی بیٹی
کتابِ حسن کی تفسیر ہے یہ قوم کی بیٹی

ہزاروں بیٹیاں ایسی الٰہی ہم میں پیدا ہوں
کہ جن پر فخر ہو ہم کو وہ تیرے دین پہ شیدا ہوں

نعیمہ حمید

وقت کم ہے بہت ہیں کام چلو

بشریٰ سے میرا تعارف ہوئے بہت کم عرصہ ہوا تھا وہ بھی اس طرح کہ قیادتوں کی تشکیلِ نَو کے سلسلے کی ایک میٹنگ میں امۃ الرفیق نے بشریٰ سے ملوایا۔ میں پہلے ہی اُس سے بے حد متأثر تھی۔ رفیق نے کہا کہ نعیمہ اب تمہاری قیادت نمبر ۵ میں آگئی ہے اس سے خوب کام لینا اچھا کام کرے گی۔ بشریٰ اتنے خلوص اور اپنائیت سے ملی، زبان اتنی میٹھی اور لہجے میں اتنی شگفتگی کہ مجھے علم ہی نہ ہو سکا کہ کب اُس نے مجھے تعلیم و تربیت کی سیکرٹری بننے پر آمادہ کر لیا۔ بعد میں میری گھبراہٹ کو اپنی تسلیوں میں چھپا لیا۔ میری ناتجربہ کاری پر خود کام میں ساتھ دے کر پردہ ڈال دیا۔ اُس میں کچھ ایسا جادو تھا جس نے بتدریج فاصلے کم کر کے اپنے ساتھ ایسے چمٹا لیا کہ پھر اُس سے الگ رہنے کا تصوّر ہی نہ کر سکی۔ حُسنِ اتفاق کہ اُس کا گھر بھی ایسی جگہ پر تھا جہاں تک ہر آدمیتنگ میں رسائی ہوتی میں گاڑی خود چلاتی ہوں اس طرح اجتماعات، جلسوں، تقریبات، شاپنگ پر ساتھ لے لینا اور واپسی پر چھوڑتے ہوئے آنا میرے لئے خوشی کا باعث ہوتا۔ میرا فون سپیکر والا ہے اور اُسے گردن میں ریسیور دبا کے بات کرنے کی بہت مشق تھی۔ اس طرح ہم بغیر کام روکے دیر تک باتیں کرتے۔ سیکرٹری تعلیم و تربیت سے نگران قیادت بنا دیا اُسے کام لینے کا سلیقہ آتا تھا۔ سارا کام خود مل کر کرواتی۔ کام کا تو اسے جنون تھا اور پھر کہتی دیکھو تم یوں ہی گھبرا رہی تھی۔ کیسا اچھا کام کرنے لگی ہو۔ میں اپنے دل میں شرمندہ ہوتی کہ سارا کام وہ کرتی ہے۔ مگر وہ ایک خاص انداز سے کہتی "نہیں نعیمہ میں نے کب کیا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے کام ہیں وہ خوش نصیب ہے۔ جس سے مولیٰ کوئی کام لے لے"۔ میں اُس سے نہ صرف قیادت کے کاموں میں رہنمائی حاصل کرتی بلکہ بعض گھریلو امور میں بھی وہی میری استاد تھی۔ میں تو یہاں تک کہہ سکتی ہوں کہ اُس سے ملنے کے بعد میرے ازدواجی تعلقات میں بھی بہتری آگئی۔ وہ ایسے مشورے دیتی جو تیر بہدف ثابت ہوتے اور دعائیں بھی بتاتی خود بھی دعائیں کرتی۔

بشریٰ کو کام سکھانے کا بھی جنون تھا تقاریر تیار کرنا سکھاتی۔ تفسیر کبیر سے مدد لے کر پوائنٹ نوٹ کرنا پھر مضمون کو پھیلانا اور پڑھنے کا انداز بتانا اس کے محبوب مشغلے تھے۔ جب قیادت کی لڑکیاں اچھا مضمون لکھتیں تو میں خوش ہو کر کہتی بشریٰ یہ سب تمہاری محنت کا نتیجہ ہے۔ بڑی خاکساری سے کہتی میں تو کوئی چیز نہیں ان میں بہت صلاحیت تھی۔ کبھی پتھر کو تراشش کر ہیرا بنا ہے۔ یہ تو ہیرے ہیں ذرا سا تراشش دیں تو دمکنے لگتے ہیں۔

اُس کا دل ایسا ہمدردی سے بھرا تھا کہ کسی کو تکلیف میں دیکھنا اُسے گوارا نہ تھا۔ بازار میں چھوٹے چھوٹے مزدور بچے سامان اُٹھانے کے لئے ساتھ ساتھ بھاگتے تو انہیں پیار کرنے لگتی۔ نہیں میری جان میرے چاند میں خود اُٹھا سکتی ہوں اور ان کو کچھ نہ کچھ دے دیتی۔ اور دیر تک کُڑھتی رہتی یہ بچے نہ جانے کن گھروں کے چراغ ہوں گے، کن ماؤں کے لاڈلے، کیسی کیسی ان میں صلاحیتیں ہوں گی۔ میرا بس چلے تو سب کو اپنے گھر لے جاؤں پھر ان کی جسمانی اور روحانی ضروریات پوری کروں۔ اور اس کے ساتھ بشریٰ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے۔ میرے ذاتی علم میں ہے کہ وہ بہت سے لوگوں کی حتی المقدور مدد کرتی اور عزتِ نفس کے احساس کے ساتھ بڑے پیار اور دلار سے وہ خدا تعالیٰ کی خاطر جو چیز دیتی وہ بطور خاص عمدہ ہوتی۔ خدمتِ خلق کے لئے آنے والے کپڑوں میں بوسیدہ کپڑوں کو دیکھ کر اُسے غصہ آتا اور سمجھایا کرتی اپنے اللہ کے لئے اچھی چیز نکالا کرو۔ وہ پسند کرتی کہ خراب کپڑوں کو دھو کر استری کر کے ٹوٹے ہوئے بٹن وغیرہ ٹانک کر ضرورت مندوں کو دیئے جائیں۔

جب کسی کی آنکھ میں آنسو دیکھتی کہتی مت ضائع کر دیئے کارِ ان آنسوؤں کو خدا کے آگے بہاؤ، عرش ہلا کر رکھ دیں گے۔ جب دل کا درد اس حد تک بڑھے کہ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جائیں تو ان لمحات کو بھی خوش قسمتی سمجھو۔ صبر کا پیمانہ چھلکے تو خدا کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے جو کایا پلٹ کر رکھ دیتا ہے۔

عید پر دینے کے لئے تحفہ خریدتی تو خاص طور پر غریب بچوں کو تحفے دیتی۔ عید پڑھنے جاتی تو بیگ تحفوں سے بھرا ہوتا۔ عید مل کر کچھ نہ کچھ تحفہ دیتی۔ اس دفعہ عید کے بعد کہا کہ کچھ تحفے بچ گئے ہیں۔ میں کمر میں درد کی وجہ سے زیادہ لوگوں سے مل نہیں سکی۔ گھر پر عید ملنے کے لئے آنے والوں کو بھی تحفہ ضرور دیتی۔

قادیان گئی تو بہت سامان ساتھ لے گئی۔ ناکافی لباس میں کوئی خاتون یا بچہ نظر آتا ساتھ لے آتی اور بڑے پیار سے ضرورت کی چیزیں اُن کو دیتی۔ بعض خواتین تو زبان بھی نہیں سمجھتی تھیں۔ انہیں اشاروں سے سمجھاتی کہ ہم اور تم بہنیں ہیں۔ جب اس مقصد سے لایا ہوا سارا سامان تقسیم کر لیا تو اپنے اور بچوں کے کپڑے تقسیم کرنے شروع کر دیئے کسی کسی فراک پر تو معصوم طوبیٰ آہستہ سے بولتی امی یہ تو ابھی ایک دفعہ ہی پہنا ہے یہ تو ابھی ایک دفعہ بھی نہیں پہنا۔ مگر بشریٰ بچی کو اس قدر پیار سے سمجھاتی کہ وہ خوشی محسوس کرنے لگتی۔ آتے وقت ہم نے تقریباً ہر کپڑا بستر وغیرہ سب تقسیم کر دیئے تھے۔

بشریٰ اپنی ہندو ملازمہ سے بھی نہایت حسنِ سلوک سے پیش آتی۔ اس کو بھی بانہیں کھول کر ملتی۔ بابری مسجد کے حادثے پر ہندوؤں کی آبادی میں آگ لگا دی گئی۔ گھروں کو گرا دیا گیا۔ کئی دن ملازمہ کے نہ آنے پر بہت فکر مند ہو گئی۔ داؤد بھائی کے ساتھ خیریت معلوم کرنے گئی۔ بہت سا راشن اور ضرورت کی اشیاء ساتھ لے کر گئی۔ بشریٰ کی ہمدردی اور پیار پر بے اختیار ہو کر وہ بشریٰ سے چمٹ گئی۔

خدا تعالیٰ پر خاص انداز کا توکل تھا۔ اُس کی سب ضروریات اللہ پاک اپنے فضل سے پوری فرما دیتا۔ کبھی

شاپنگ کے لئے جانے کو کہتی تو بشریٰ ملتوی کرنے کو کہتی ۔ میں کہتی بشریٰ چلو شاپنگ کر آتے ہیں۔ پیسوں کا کیا ہے بعد میں حساب ہوتا رہے گا۔ بشریٰ کہتی نعیمہ میرا مولا بہت پیارا ہے۔ میں اُس سے مانگتی ہوں تم یہ تو کہتی ہو کہ بعد میں حساب ہو جائے گا۔ یہ کیوں نہیں کہتی کہ خدا تعالیٰ پہلے ہی بندوبست کر دے ۔ میرا مولا تو میری ضروریات ہی نہیں میرے شوق بھی پُورے کر دیتا ہے ۔ اور واقعی میں دیکھتی اللہ تعالیٰ غیب سے سامان بہم پہنچا دیتا۔

سادہ، نفیس اور کم قیمت لباس پسند کرتی۔ کہتی مجھے مہنگا کپڑا پہننے اور مہنگا کھانا کھاتے ہوئے خدا سے بہت خوف آتا ہے ۔ عالی شان بنگلے، قیمتی زیورات کپڑے دیکھ کر کہتی میرا مولا کتنا پیارا ہے اُس کا کتنا احسان ہے کہ مجھے اتنی عالی شان اور قیمتی چیزیں دکھاتا ہے۔ طبیعت میں قناعت تھی کبھی کسی کے مال و دولت سے مرعوب نہ ہوئی مگر رُوحانی دولت میں سب پر ہمیشہ رشک کرتی۔

"محبت سب کے لئے نفرت کسی سے نہیں" کا سلوگن اُس کی ذات میں حقیقی تفسیر بن جاتا ۔ کوئی کتنا ہی پریشان ہو اسے اپنی دلربا باتوں سے تسلّی دے دیتی ۔ کسی کو حکمت کا نسخہ بتاتی ۔ کسی کو دُعائیں بتاتی۔ گلے لگا کر منہ چُوم کر پیار کرتی اُس کا وجود مجسم پیار، وجود ایسا مقناطیسی تھا جو سب کو اُس سے چمٹا دیتا۔

آخری دنوں میں جب وہ ہسپتال میں تھی متعلقہ ڈاکٹرز اور سٹاف اُس کے گرویدہ ہو گئے تھے جب اُس نے آپریشن کے بعد ہوش آنے پر اللہ کا شکر ادا کیا تو ڈاکٹر بہت متأثر ہو کر کہنے لگا یہ پہلی مریضہ ہے جس نے ہوش آنے پر سب سے پہلے اللہ کا نام لیا ہے ۔

صابر، شاکر تو وہ بے مثال تھی۔ ایران سے خالی ہاتھ آئی تو کئی قسم کی سنگین پریشانیوں نے استقبال کیا ۔ مگر وہ بتایا کرتی کہ میں نے کسی کو کچھ نہ بتایا ۔ بس جائے نماز بچھاتی اور اپنے پیارے مولا کریم کو اپنے دُکھ درد کہہ دیتی ۔ اسی سے فریاد کرتی، سسکتی اور رحم کی طرح طرح سے بھیک مانگتی تو تو ماں باپ سے زیادہ پیار کرنے والا ہے ۔ حالات کو بدل سکتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ اُس کا ساتھ دیتا رہا ۔ ایک دفعہ ایسی ہی مالی تنگی تھی بچّوں کی فیس دینے کے لئے رقم نہیں تھی۔ اللہ پاک نے کچھ رقم کا انتظام کر دیا دل مطمئن ہو گیا کہ صبح فیس بھیج دیں گے مگر شام ہوئی تو ایک محترم خادم چندہ لینے کے لئے آ گئے۔ پہلے خیال آیا کہہ دوں آج نہیں دے سکتے مگر ساتھ ہی ندامت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آج ہی رقم دی ہے آج ہی اللہ کی خاطر چندہ دینے سے انکار کر دوں چنانچہ ساری رقم چندے میں ادا کر دی ۔ اللہ تعالیٰ کو یہ توکل اتنا پسند آیا کہ اُس خزانوں کے مالک نے اُس سے کئی گنا زیادہ اور بھیج دیئے ۔

طوبیٰ کی آمین کا پروگرام بنایا تو نیت یہ تھی کہ غیر از جماعت مہمانوں کو بلانے کی ایک صورت ہو جائے گی ۔ جس پیمانے پر اپنے مہمانوں کی عزت افزائی کرنا چاہتی تھی اُس پر بہت خرچ اُٹھتا وہ دُعا کرتی رہی اور پروگرام بناتی رہی ۔ طوبیٰ کی آمین بڑی شاندار ہوئی ۔ اوپن ایر فضا میں جہاں شادیوں کے انتظامات کی سی جگمگ تھی ۔ تھوڑا سا بامعنی سادہ سا پروگرام رکھا اور پھر کھانے کی دعوت دی ۔ اگلے دن بتایا کہ جس قدر خرچ ہوا بعینہٖ

اتنی رقم اللہ پاک نے بھیج دی۔ ہوتا یہ ہے کہ داؤد بھائی کہیں نہ کہیں کام کرتے رہتے ہیں۔ کوئی بل کی رقم جلدی دے دیتا ہے کوئی دیر سے دیتا ہے۔ دراصل اللہ پاک اپنی محبوبیت کی شان دکھاتا ہے اور جب ضرورت پڑنے پر اس کا در کھٹکھٹایا جائے وہ ضرورت کی رقم عنایت فرما دیتا۔ اس وقت یہ احساس ہوا تھا کہ بشریٰ نے چادر سے باہر تک پاؤں پھیلائے ہیں مگر اب طوبیٰ کے دامن میں آمین کی تقریب کی حسین یادیں ماں کی یادوں کے سرمائے میں سرفہرست ہوگی۔

بچوں کی تربیت کا انداز بھی نرالا تھا۔ بظاہر محسوس ہوتا تھا کہ سختی کرتی ہے۔ مگر جس طرح تڑپ تڑپ کر وہ ان کے لئے دعائیں کرتی اور تربیت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی وہ اسی کا حصہ تھا۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عملی درس اس کے گھرانے کو ازبر تھا۔ جماعتی ڈیوٹی کے لئے سب بشاشت سے تیار رہتے اور صفِ اوّل میں کام کرنا پسند کرتے۔ بزرگوں کی خدمت اور عزت خوب اچھی طرح سکھائی۔ بچے گھر سے جاتے یا گھر سے رخصت ہوتے چمٹا کر پیار کرکے دعاؤں سے رخصت کرتی۔

حور جہاں درحقیقت جنت کی حور تھی جسے خدا تعالیٰ نے تھوڑی دیر کے لئے دنیا میں بھیج دیا تھا۔ وہ اپنے سجے سجائے گھر میں حور کی طرح رہتی تھی۔ ہم اس کی محبتوں کے نشے میں مگن تھے۔ یہ سوچا بھی نہ تھا کہ اتنی جلدی وہ ہمیں چھوڑ کے دور دیس جا بسے گی۔

یوں تو بشریٰ زندگی میں ہر مرحلہ پہ یاد آئے گی۔ مگر جب جب بھی رمضان المبارک آیا کرے گا اور قادیان کا سفر کریں گے بشریٰ کی یاد بہت تڑپائے گی۔ وہ نمازِ عصر کے وقت احمدیہ ہال پہنچ جاتی۔ کافی کھانا پکا کر ساتھ لے لیتی۔ نمازِ عصر کے بعد درس پھر مغرب پھر کھانا پھر تراویح سب ہال میں ہوتا۔ درمیان میں ذرا سی فرصت میں وہ سلائی کڑھائی بیلیں ٹانکنے کا کام کرتی یا کچھ لکھتی رہتی۔

قادیان جانے سے پہلے کثرت سے دعا کی کہ وہاں ہر لمحہ سود مند گزرے۔ خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ سفر شروع ہوا۔ امیر قافلہ محترمہ مبارکہ ملک صاحبہ تھیں۔ مگر عملاً ساری منصوبہ سازی کا بار بشریٰ نے خود اٹھایا۔ فہرستیں بنانا، جگہ بنا کر دینا، ہر ایک کے آرام کا خیال رکھنا اور اس کے ساتھ شوق کا یہ عالم کہ خرابیٔ صحت کے باوجود چہرہ کھلا ہوا پُرلطف شگفتہ باتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ کبھی کبھی تکلیف کی لہریں قابو سے باہر ہو جاتیں تو اسے زبردستی لٹانا پڑتا۔ اس کی باتوں میں علمی رنگ مذہبی بحثیں، دعوت الی اللہ کے واقعات، سیرۃ کے جلسوں کا ذکر رہتا۔ اس کے علاوہ ایسے بے حد دلچسپ لطیفے یاد تھے جو وہ اپنے مخصوص انداز میں بیان کرتی تو ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے۔ یہ لطیفے اسے اس کے بھائی باسط کے توسط سے حاصل ہوتے۔ مدرسہ احمدیہ میں قیام کے دوران بھی ذرا سا موقع ملنے پر شگفتہ محفل لگ جاتی، جس کی ایک ایک یاد اب بے قرار کر رہی ہے۔ کمرے کے باہر دفتر لجنہ کراچی کا بورڈ بشریٰ نے لگایا اور منظم طریق پر خدمت خلق، سامان کو صحیح شخص تک پہنچانے، ڈیوٹیاں لگانے اور دیگر معلومات کا کام شروع کر دیا۔

سب سے مشکل سیکیورٹی کی ڈیوٹی خود لی اور کراچی کی ٹیم کے ساتھ جانفشانی سے ادا کی ۔ صبح تہجد کے لئے بیت المبارک جاتے ۔ سیڑھیوں پر بھی جگہ ملنا تخت شاہی سے بہتر لگتا ۔ نماز فجر کے بعد بہشتی مقبرے جاتے ۔

جس روز کراچی کی مستورات کی حضور سے ملاقات تھی ۔ شناختی کارڈز نہیں بنے ہوئے تھے ۔ یہاں پھر بشریٰ نے ایثار سے کام لیا ۔ مجھے بیت المبارک میں ڈیوٹی کے لئے بھیج دیا خود کارڈز بنانے لگی ۔ آقا کے دیدار کے لئے ترسی ہوئی بڑے سکون سے بولی ۔ میرے لئے آقا کی حفاظت مقدم ہے ۔ جب فارغ ہو کر آئی تو ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا ۔ ملاقات کے دوران حضور نے نام لے کر یاد بھی فرمایا تھا ۔ ایک بشریٰ کا اور دوسرا امۃ الباری ناصر کا ۔

جس روز پاکستان کی خواتین کی ملاقات ہوئی تھی بشریٰ ایک کونے میں بیٹھی تھی ۔ پیارے آقا کی نظر پڑی تو فرمایا "سنا ہے تم بہت کام کرتی ہو" اور فرمایا "سوری تم تو بالکل ویسی ہی ہو جیسی میں آٹھ سال پہلے چھوڑ کر گیا تھا ۔ باقیوں میں پھر بھی کچھ نہ کچھ تبدیلی دیکھی ہے ۔" اس کے بعد سیرت کے جلسوں کا ذکر فرمایا اور لجنہ لاہور کو کہا کہ اس کو بلا کر تقاریر سنیں ۔

قادیان میں غیر مسلم خواتین سے پیار اور عزت سے باتیں کرنے کی وجہ سے وہ بشریٰ کی ایسی گرویدہ ہوئیں کہ گھروں پر اصرار سے بلایا ۔ ہم تحائف لے کر گئے انہوں نے بھی تحائف دیئے اور آئندہ اپنے یہاں ٹھہرنے کی دعوت دی ۔

واپسی کا سفر بھی دعاؤں میں گزرا یہ احساس رہا کہ قادیان کا قیام ہر لمحہ دعاؤں اور خدمت میں گزرا ۔

جانے والے تو چلے جاتے ہیں مگر اپنے پیچھے انمٹ ، خوبصورت اور حسین یادیں چھوڑ جاتے ہیں ۔

بشریٰ تو لجنہ کراچی کے گلستان میں ایک مہکتا ہوا تروتازہ پھول تھیں جس کی خوشبو ہم سب کو معطر کئے ہوئے تھی ۔ احمدی خواتین اور بچیوں کی دینی ، علمی اور اخلاقی تربیت کے لئے ہر وقت کوشاں رہتیں ۔ دوسروں کی ہمدردی اور خیر خواہی میں اپنی ذات کو یکسر مٹا دیتیں ۔

وہ لجنہ کے ہر فنکشن کی رونق اور روح رواں تھیں ۔ ہر محفل اس کے ساتھ سج جاتی تھی ۔ سب ہی کو اس کے آنے کا شدت سے انتظار رہتا ۔ ہر محفل میں ہر وقت ہنستی مسکراتی اور چہکتی ہی دکھائی دیتیں ۔

وہ ہماری احمدیہ ہال کی گیلری کا زیور اور زینت تھیں ۔ وہ مخلوق خدا سے بے انتہا محبت اور پیار کرنے والی تھیں ۔

وہ حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت کا بھی مجسمہ تھیں ۔ وہ سراپا سیرت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھیں ۔ بے لوث خدمت دین پر وہ دم آخر تک قائم رہیں ۔ حقیقت میں اس نے با عمل زندگی گزاری ۔ وہ وقت کا صحیح مصرف جانتی تھیں اور ایک وقت میں کئی کام کرتی تھیں ۔

سیرت کے جلسوں کے حوالے سے کون ان کو نہیں جانتا ۔ سیرت کے موضوع پر تقریر میں ان کا

کوئی ثانی نہیں تھا۔ ان کی تقریر سب سے منفرد و انوکھی طرز کی دلوں کو گداز کر دیتی۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا کہ خواہ کتنا ہی کوئی مخالف کیوں نہ ہو ان کی تقریر سُن کر اپنے خیالات بدلنے پر مجبور ہو جاتا اور انکی روحانی محفل پر ایک وجد کا سا سماں پیدا ہو جاتا۔ سُننے والے کبھی آنسو بہاتے اور کبھی جھوم جھوم کر داد دیتے۔ ہر کوئی ان کی تقریر سُن کر دوبارہ سُننے کا آرزو مند رہتا۔ ان کی تقریریں سیرت کے جلسے کی کامیابی کی ضمانت تھیں۔ جتنا بڑا مجمع ان کی نظروں کے سامنے ہوتا اتنی ہی پرجوش ان کی تقریر ہو جاتی کہ سُننے والوں پر رقت طاری ہو جاتی۔

کبھی کوئی بڑا مجمع یا بڑی بڑی خوبصورت عبادت گاہ لوگوں سے بھری ہوئی دیکھتیں تو حسرت سے کہتیں کہ کاش مجھے کوئی ان میں گھسنے کی اجازت دے تو میں سیرت پر تقریریں کروں۔ ان کو اپنے آقا کی پیاری پیاری باتیں بتاؤں جو یہ نہیں جانتے۔ خدا نے چاہا تو یہ سب ہماری ہی ہو جائیں گی اور میں اپنا شوق پورا کروں گی۔ وہ عاشقِ رسولؐ اور امامت کی فدائی۔ یہ حسرت اپنے دل میں ہی لے کر چلی گئی۔

بشریٰ! تو ہم سے اتنی جلدی جدا ہو جائے گی۔ کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ ابھی تو ہم نے تم سے بہت کچھ سیکھنا تھا۔ بہت کچھ پوچھنا تھا۔ قدم قدم پر تمہاری رہنمائی حاصل ہوتی تھی۔

اب کس سے ہم اپنے دُکھ درد اور پریشانیاں بیان کریں گے۔ کون ہمیں دلاسے دے کر مطمئن کرے گا۔ کون ہمیں مزے مزے کی باتیں کرنے کے لئے فون کرے گا اور اتنا زیادہ وقت دے گا۔ کس کے پاس بیٹھ کر ہم زندگی سے بھرپور قہقہے لگائیں گے اور اپنے غم بھولیں گے۔

کس کی محبت بھری نگاہیں مسکراہٹیں اور قہقہے ہمیں اور سرور بخشیں گے۔ اب کس سے ہماری محفلیں اور سیرت کے جلسے سجیں گے۔ یہ خلا تو پُر ہوتا نظر نہیں آتا۔ خدا کا کام تو ہوتا چلا آیا ہے اور ہوتا چلا جائے گا مگر ماں باپ کو ایسی عظیم بیٹی۔ بہن بھائیوں کو ایسی محبت کرنے والی بہن۔ شوہر کو ایسی وفا شعار ساتھی۔ بچوں کو ایسی پیار کرنے والی اور فدا ہونے والی ماں۔ اور دوستوں کو ایسی پرخلوص اور محبت کرنے والی دوست کبھی نہیں ملے گی۔ ایسے قیمتی بافیض وجود تو صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔

آج بھی بشریٰ کی پیاری آواز اور ہنسی کی مسحور کن کھنک سُنائی دیتی ہے۔ ہر گھر اور ہر زبان پر بشریٰ کا ہی تذکرہ جاری ہے اور نہ جانے کب تک جاری رہے گا۔ کب تک ہم اس کی جدائی میں درد کے فسانے لکھتے رہیں گے۔ قدم قدم پر تو بشریٰ کی حسین یادیں بکھری پڑی ہیں۔ اسے کیسے نہ یاد کریں ہم۔ اس کا نام تو اس کی خدمات کے پیشِ نظر تاریخ احمدیت میں بھی ہمیشہ کے لئے زندہ رہے گا۔ آئندہ آنے والی نسلیں بھی ان کے لئے دُعا گو رہیں گی۔ ان کا نیک نمونہ بھی آنے والی نسلوں کے لئے مشعلِ راہ بنا رہے گا۔

اے جانے والی پیاری بشریٰ تجھے تیرے مولیٰ کا بے حساب پیار نصیب ہو وہ تجھے اپنی رحمتوں اور فضلوں کے سائے میں رکھے۔

بشریٰ تو تو کماں کی پیار کرنے والی ہستی تھیں۔ اب بھلا کون ہمیں آپ کا سا پیار دے گا۔ اے خدا اس کے پیار کی کمی کو اب تو پورا کر۔ تو ہمارا ہو جا اور ہم تیرے ہو جائیں۔ تو تو لازوال ہے۔ ہمیں کبھی چھوڑ کر نہیں جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر مقام عطا فرماتا چلا جائے جو شفقت اور پیار انہوں نے اس دنیا میں ہمیں دیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر اس سے پیار کا سلوک کرے۔ اس کے پیار کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ ان کے والدین، شوہر اور بچوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، غمگین دلوں پر سکینت نازل فرمائے۔

اے خدا تو ماں کی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں سے محروم بچوں کو اپنی ٹھنڈی میٹھی آغوش میں پروان چڑھانا۔ وہ پھلیں پھولیں۔ دین و دنیا میں ترقی کریں۔ طوبیٰ کو بشریٰ ثانی بنا دینا۔ جنم دینے والی ماں ہی جدا ہوئی ہے۔ تخلیق کرنے والی اور ماں سے بڑھ کر پیار کرنے والا خدا تو ہمیشہ زندہ رہے گا۔

چند روز قبل میں نے خواب میں دیکھا۔ بشریٰ میرے گھر آئی ہے۔ میں اس کو بہت پیار کرتی ہوں۔ بشریٰ کے چہرے اور بالوں میں سے نہایت عمدہ خوشبو آرہی ہے۔ میں خوشبو سونگھتی جا رہی ہوں اور پیار کرتی جا رہی ہوں۔ وہ جنت کی ہی تو خوشبو تھی جو اس میں سے آرہی تھی۔ اور حقیقت میں بھی وہ ہمیں اپنا بے انتہا پیار دے کر خود خوشبو بن کر ہمیں معطر کرتی رہی اور اب بھی خوشبو کی طرح اس کی یادیں ہر طرف بکھری ہوئی ہیں۔ اس کی روح شاید ہم کو دیکھ رہی ہو کہ جن کی ذرا سی تکلیف پر میں تڑپ اٹھتی تھی اب کس طرح تڑپ تڑپ کر بے حال ہوئے جا رہے ہیں اس کی جدائی میں آنسوؤں کے دریا بہا دیئے ہیں۔ بلاشبہ اگر اجازت ہوتی تو زمین کا سینہ چیر کر تجھ سے آلپٹتے۔ اس سے پیار پر تو شرک کا گمان ہونے لگتا تھا۔ اے خدا تو ہمیں صبر و ہمت دے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارا غم بھی شرک کی حدود کو چھونے لگے۔

یہ ہم سب کے لئے ایک عظیم صدمہ ہے جو بھلایا جانے والا نہیں۔ مگر خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی اس عظیم خلا کو اپنی قدرت سے پُر کرے اور اس صدمہ کو برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

واقفین بچوں میں خوش مزاجی اور تحمل پیدا کریں

"بچپن سے ایسے بچوں کے مزاج میں شگفتگی پیدا کرنی چاہیئے۔ ترش روئی وقف کے ساتھ پہلو بہ پہلو نہیں چل سکتی۔ ترش رو واقفینِ زندگی ہمیشہ جماعت میں مسائل پیدا کیا کرتے ہیں اور بعض دفعہ خطرناک فتنے بھی پیدا کر دیا کرتے ہیں۔ اس لئے خوش مزاجی اور اس کے ساتھ تحمل یعنی کسی کی بات کو برداشت کرنا، یہ دونوں صفات واقفین بچوں میں بہت ضروری ہیں۔" (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ فروری ۱۹۸۹ء)

غزل

گھور اندھیرا ڈھلتے سائے
لہو سے ہم نے دیئے جلائے

کوئی تو روکو، کیوں یہ دھڑکن
چپ نگری میں شور مچائے

گئی رُتوں کی یاد نے آ کر
کئی پرانے گیت سُنائے

شام ڈھلے گھر آتا پنچھی!!
اک انہونی آس دلائے

دل بہلایا، دامن جھٹکا
خواب پہ پہرے کون بٹھائے

بن بادل برسات ہوئی تھی
ہم نے چھپ کر نیر بہائے

یوں بے وجہ ہنسنا تیرا
اندر کتنے زخم لگائے

پورے چاند کا زرد اُجالا
پلکوں پر موتی بکھرائے

شب کی سیاہی ڈھل جائے گی
رکھنا تم اُمید بندھائے

طیبہ تیرے من کا الاؤ
ظلمت میں کرنیں پھیلائے

(طیبہ منیر کراچی)

محترمہ طیبہ منیر صاحبہ - کراچی

"مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم..."

گزشتہ سال ہماری قیادت کے سالانہ اجتماع کے موقع پر آنٹی بشریٰ کے ہاتھ میں ایک فائل دیکھی جس پر جلی حروف میں NASIR لکھا ہوا تھا۔ اتنے میں میری دوست نے کہا ارے یہ تو ناصر کی امّی ہیں۔ دیکھو کس قدر مشابہت ہے میں نے غور کیا تو یقین ہوگیا۔ بصد احترام بشریٰ آنٹی کے پاس گئی۔ پوچھا، آنٹی ناصر آپ ہی کا بیٹا ہے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جی بیٹا میں تو بہت پہلے پہچان گئی تھی تمہی وہ طیبہ ہو جس کا ذکر ناصر کرتا ہے۔ لیکن تم نے کبھی اس حوالے سے بات ہی نہ کی۔ پھر دوسرے دن کالج میں ناصر کی خوب خبر لی کہ تم نے پہلے کیوں نہ بتایا کہ تم آنٹی بشریٰ کے بیٹے ہو؟ "آپ نے کبھی پوچھا ہی نہیں" نہایت اطمینان سے موصوف نے جواب دیا۔ پتہ ہے۔ ناصر۔ آنٹی بشریٰ تو میری آئیڈیل ہیں۔ بچپن ہی سے ان کی شخصیت میرے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ جواباً ناصر صاحب اپنے کالر اکڑانے لگے تو میں نے فوراً کہا تم کیوں پھول رہے ہو۔ میں آنٹی کی بات کر رہی ہوں۔ فوراً گویا ہوئے: امّی تو میری ہی ہیں نا! جی نہیں تم مجھ سے چھوٹے ہو۔ اس لئے تمہاری امی بعد میں میری آنٹی پہلے۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ اس نے ہار مان لی۔ ناصر دراصل اسی کالج کا سٹوڈنٹ ہے جس کے اسکول سیکشن میں میں پڑھاتی ہوں۔

اس حوالے سے وہ مجھے ہمیشہ چھوٹے بھائیوں کی طرح عزیز رہا۔ پھر پتہ چلا کہ وہ آنٹی بشریٰ کا بیٹا ہے تو یہ انسیت اور بڑھ گئی۔

جی ہاں! وہی آنٹی بشریٰ، میری آئیڈیل شخصیت میری ہی کیا مجھ جیسی بہت سوں کی آئیڈیل جن کی ملکوتی مسکراہٹ یوں اثر کرتی کہ اس پُرنور چہرے میں کھو جاتے کو دل چاہتا اور جب ان کے لبوں سے الفاظ کے پھول جھڑتے تو یوں محسوس ہوتا گویا وقت تھم گیا ہو۔ میں نے آج تک اس دلنشیں پیرائے میں گفتگو کرنے والی خاتون نہیں دیکھیں جن کا چہرہ مسکراہٹ، لہجہ، شخصیت الغرض تمام وجود ہی اپنے نام کا مکمّل عکاس ہو۔ "حورِ جہاں بشریٰ"۔ کیا نام تھا کہ وجود کا ہر حصّہ اس حسین نام کی عکاسی کرتا دکھائی دیتا تھا۔

حوری آنٹی، جن سے میرا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا لیکن کیا نام دیا جائے اس ان دیکھے رشتہ کو، اس تعلق کو جس کے بظاہر ٹوٹ جانے کا یقین اب تک نہ دل کو ہے اور نہ ان آنکھوں کو جن کے سامنے ہر وقت وہ پیارا چہرہ مسکراتا ہے۔ آج ایک عرصہ ہوگیا ہے اس حسین وجود کو اس مادّی دُنیا سے تعلق توڑے ہوئے لیکن ہر پل یہی احساس ہوتا ہے جیسے یہ سب ہُوا ہی نہ ہو۔

بشریٰ آنٹی کی شخصیت یوں تو اخلاقِ فاضلہ سے پُر تھی ۔ خدمتِ خلق ، جماعتی امور میں انتھک مصروفیات ، سیرتِ نبویؐ پر بے بہا علم ، جماعتی بنیادی عقائد پر عبور لیکن ان کی حسن تحویل نے دلوں کو تسخیر کیا وہ اندازِ بیان اور کھنکتا ہوا خوبصورت لہجہ تھا ۔

بچپن میں جبکہ میں ناصرات الاحمدیہ کی رکن تھی اجتماعات اور جلسوں میں آنٹی سے ملاقات ہوتی رہی گو کہ یہ ملاقات سرسری سی ہوتی تھی لیکن ان کی شخصیت کا اثر دکھانے کے لئے کافی ہوتی تھی ۔ یعنی آپ نے صرف سلام کیا اور جواباً پورا سلام ، کیا حال ہے چاند (چہرے کو پیار سے تھپتھپاتے ہوئے) کیسے ہو؟ ٹھیک ٹھاک ہو؟ یعنی کہ حد درجہ مصروفیت کے باوجود جواب ہمیشہ ایسا ہی دلنشیں ہوتا تھا کہ ہم جیسوں کی رُوح سرشار ہو جاتی تھی ۔

عموماً سالانہ اجتماعات کے موقع پر جو کہ صبح سے شام تک جاری رہتے ہیں ۔ خواتین کچھ اپنی فطرت کی بناء پر اور کچھ بچوں کے ساتھ کی وجہ سے آخری ایک آدھ گھنٹوں میں انتظامی مسائل پیدا کر دیتی ہیں یعنی جلسہ کی کارروائی میں کم اور ذاتی گفتگو میں زیادہ دلچسپی لینا شروع کر دیتی ہیں ۔ ایسے مواقع پر آنٹی بشریٰ کی تقریر شروع ہوتے ہی حاضرین پر مکمل سکوت طاری ہو جاتا اور سب ہمہ تن گوش ہو کر ان کی پُر مغز گفتگو سننے پر مجبور ہو جاتے ۔ اندازِ بیان کی دلکشی ، لہجہ کی نرمی ، الفاظ کی روانی اور سلاست ۔ الغرض تمام خوبیوں سے پُر وہ تقریر تمام حاضرین کے دلوں میں اُترتی لگتی ۔

کس قدر خوش قسمت تھیں وہ خاتون کہ جب تک زندہ رہیں جماعت کی آنکھوں کا تارا بنی رہیں اور جب اس فانی دُنیا سے اُٹھ گئیں تو تمام دنیا نے جہاں جہاں حضرت امام جماعت احمدیہ کا خطبۂ جمعہ دیکھا اور سُنا جاتا ہے ۔ یہ مظاہرہ دیکھا کہ امامِ وقت نے اس پاکباز ہستی کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ۔ سچ ہے ہم جیسے گناہگار تو اس مقام کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے ۔ واقعی وہ چہیتی تھیں اپنے خاندان کی ، اپنی لجنہ کی ، اپنے امام کی اور اپنے خدا کی ، تبھی تو اس قدر جلد اللہ کو پیاری ہو گئیں ۔

تصحیح

مصباح ستمبر ۱۹۹۳ء صفحہ ۴۳ پر نام اور رشتہ غلط شائع ہو گیا ہے ۔ اس کو اس طرح پڑھا جائے ۔

○ محترمہ سعیدہ نصرت رانا صاحبہ اہلیہ مکرم رانا محمد سرور ارشد صاحب سول آفیسرز کالونی اوکاڑہ اپنی چھوٹی بہن طاہرہ پروین کا نکاح مکرم مرزا ذوالفقار احمد کے ساتھ ہونے پر رشتہ کے بابرکت ہونے کے لئے درخواستِ دُعا کرتی ہیں ۔

○ صفحہ ۴۱ سطر ۱۰ میں منظور احمد پاشا کی بجائے مظفر احمد پاشا پڑھا جائے ۔

○ اسی طرح صفحہ ۴۷ پر رضیہ بشیر کی بجائے شبیر پڑھا جائے ۔

(ادارہ)

برکت ناصر۔ کراچی

آہ بشریٰ داؤد صاحبہ

؎ صبر کتنا بھی ہو لیکن چند لمحوں کے لئے
دفعتاً تاریک ہو جاتی ہے روشن کائنات

ذہن قبول نہیں کر رہا۔۔۔ کہ تو ہمیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئی ہے لیکن یقین کرنا پڑے گا کہ میری عزیز بہن امۃ الباری ناصر اور تو۔۔۔ یک جان دو قالب۔۔۔ شعبہ اشاعت لجنہ کراچی کی بانی۔۔۔ اس دن شام کے چھ بجے فون کی گھنٹی بجی۔ یہ کیا باری آپا کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ گھبرا کے پوچھا خیر تو ہے۔ جواباً یہ سُنکر کہ اچھی خبر نہیں۔ بشریٰ چلی گئی۔ ہمیں ہمیشہ کیلئے چھوڑ کر چلی گئی۔ میرے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ نہیں نہیں یہ سب کیسے ہو گیا۔ میرے بھائیوں اور بھابھی نے مجھے کرسی پر بٹھا دیا۔ وہ بتا رہی تھیں۔ وہ جو ہمیں پیاری تھی۔ اللہ میاں کو بھی بہت پیاری لگی۔ ہسپتال ہفتہ بھر رہنے کے بعد گھر آنے کی اجازت ملنے پر اپنے پیاروں کے ساتھ لفٹ تک آئی۔ اور آناً فاناً اپنے گھر کا رُخ بدل لیا۔ ہارٹ اٹیک نے کچھ سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہ دی۔ ایمرجنسی میں جاکر ایک مرتبہ آنکھیں کھولیں۔ آخری پیغام۔ حضور کو میرا سلام کہنا۔۔۔ اور اپنے پیاروں کو الوداعی سلام کہتے ہوئے۔ بروز منگل ۲۰ر جولائی ۱۹۹۳ء کو بعمر ۴۷ سال مولائے حقیقی کی پیار بھری گود میں چلی گئیں۔

وہ جو کراچی لجنہ کی جان تھی۔ شعبہ اصلاح وارشاد کی سیکرٹری۔ بھرپور شخصیت کی مالک۔ جس کی آواز میں جادو۔ بہترین مقرر، سامعین پر چھا جانے والی وہ عاشقِ رسولؐ۔۔۔ سیرت کے جس موضوع پر بھی بولتیں کچھ اس طرح اس میں ڈوب جاتیں کہ سُننے والوں کو سحر زدہ کر دیتیں۔ ایسے ہی ایک سیرت کے جلسہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عورتوں پر احسانات" میں بعض بلوچ خواتین مہمانوں میں شامل تھیں۔ بے اختیار بہنے والے آنسو گواہ تھے۔ جن پہنچانے والی آواز نے دلوں کو گداز کر کے محسنِ انسانیتؐ کے احسانات یاد دلا کر تشکّر آنسو بہانے پر مجبور کر دیا۔ تقریر ختم ہو چکی لیکن انداز بیان سب کے دلوں کو تسخیر کر گیا۔ پھر جب کسی کو بحیثیت مہمان بلاتے تو یہ سوال ضرور ہوتا کہ بشریٰ کی تقریر ہے کہ نہیں۔۔۔ اور جب کبھی اُس تک یہ بات پہنچائی گئی تو کمال انکساری سے کہا۔ او میری بہن اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ یہ تو سب میرے مولا کا احسان ہے۔ اکثر کہتیں کہ دیکھو یہ سب حضور کی دُعائیں ہیں۔ ورنہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے بلکہ ہمیشہ ہی یہ ہوا کہ تقریر تیار کی۔ یہ خوش فہمی کہ آج کے جلسہ میں مشکل نہ ہو گی۔ لیکن اختتام تک دل غیر مطمئن ہی رہتا اور جس پروگرام میں طبیعت میں گھبراہٹ ہوتی۔ سارا زور دُعا پر ہوتا تو وہ تقریر ایسی ہوتی اور بولنے کے دوران خدا تعالیٰ ایسے پوائنٹ

دیتا چلا جاتا ہے کہ آخر میں دل اپنے مولا کے حضور تشکر سے جھک جاتا ہے..... کراچی کی ہر قیادت کے حلقوں میں تیری مدھ بھری آواز کی گونج ہر ممبر کو رلائے گی.... ہمارے اجتماع تیرے آنے سے سج جاتے تھے.... انتخاب بہت خوش اسلوبی سے تسلّی بخش کرانا... تقاریر کی جج منٹ... حصّہ لینے والوں کی غلطیوں کی اصلاح اس طرح کرنا کہ کسی کی دلآزاری نہ ہو.... وہ سراپا محبت تھی۔ ایک دفعہ جو ملتا اس کا گرویدہ بن جاتا.... وہ عشقِ خدا اور عشقِ رسولؐ میں ڈوبی ہوئی۔ امامت اور خاندان حضرت بانیٔ سلسلہ سے بے انتہا محبت اور غیرت رکھنے والی... میرا پہلا تعارف اسی حوالہ سے تھا۔ تقریباً سات سال قبل جب مَیں کراچی میں رہائش کے لئے آئی۔ پہلے ہی اجلاس میں حلقہ حسن اسکوائر قیادت ۹ کی سیکرٹری مال بنا دیا گیا۔ مہینے کے آخر میں بتایا گیا کہ احمدیہ ہال میں چندہ جمع کرانا ہے کہ دفتر مال میں چندہ جمع کرایا تو سیکرٹری مال صاحبہ نے کہا کہ باہر نگرانوں کی میٹنگ ہو رہی ہے۔ اپنی نگران سے پوچھ لو کہ دوسری رسید بُک اُن کے پاس ہے یا نہیں۔ عرض کی میرا یہ پہلا دن ہے مَیں کسی کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔ جواب ملا۔ قیادت ۹ کی نگران امۃ الشافی سیال ہیں۔ میٹنگ میں موجود ہوں گی۔ کیونکہ میٹنگ جاری تھی میں گیلری میں ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہوئی۔ بولنے والی کی پر جوش آواز کا ہر فقرہ دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اُتر گیا۔" خاندان کی بات کرنے سے پہلے یہ سوچیں کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا احسان ہم کیا ہماری نسلیں بھی نہیں اتار سکتیں"۔ اُس کی آواز کی کاٹ بہت سخت تھی اور اس کا یہی انداز میرا دل لے اڑا۔ میٹنگ کے بعد ایک خاتون سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ پھر ہر پیر ایک دوسرے سے تعارف بڑھتا رہا۔ بے تکلفی بڑھتی چلی گئی پھر میرا وہ پہلا سفر تھا جو غالباً اجتماع یا میٹنگ میں آنے والی کراچی کی نمائندہ ممبرات کے ساتھ تھا۔ ضلعی عاملہ میں سے آپا سلیمہ میر، آپا شاقی، بشریٰ داؤد امۃ الرفیق ظفر، بُشریٰ حمید سب ہی تو تھیں۔ سارے راستے علمی مسائل، رپورٹس کی باتیں۔ دورانِ سفر ہی بشریٰ نے کچھ اس انداز سے میرے ذمے پہلی مرتبہ کراچی لجنہ کی شائع کردہ کتب پاکستان بھر سے آنے والی لجنات سے متعارف کرنے کی ڈیوٹی لگائی کہ ناں کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ اور شعبہ اشاعت لجنہ اماء اللہ کراچی جن کے متعلق یہ کہنا بجا ہوگا کہ حضور ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی دعاؤں اور شفقت کے طفیل "اِک قطرہ اس کے فضل نے دریا بنا دیا۔" لیکن اس کی پہلی تخلیق "کونپل" جو تیار تو امۃ الباری ناصر صاحبہ نے کی لیکن اس میں بشریٰ کے دل کا کرب اور وہ آنسو بھی شامل ہیں جو اپنی قوم کے معصوم اور ننھے بچّوں کے لئے کچھ اس درد سے بہائے کہ پل بھر میں کونپل تیار ہو گئی۔ اور ابھی بھی ایسی کراچی کی ممبرات ہوں گی۔ جن کو "مجاہد ماں" بنا کر اپنے ہاتھوں سے لکھ کر فوٹو اسٹیٹ کرا کر نصاب کی صورت میں دی پھر سلطان القلم کی یہ سپاہی چل نکلیں۔ کونپل کا پہلا پہلا ایڈیشن پریس سے تیار ہو کر آیا۔ پھر غنچہ اور گل ان کی مشترکہ کوشش سے تیار کرکے عمر کے ساتھ بڑھتے بچّوں کے لئے تیار ہُوا۔ نہ صرف پاکستان سے

بلکہ بیرونِ پاکستان سے بھی آڈر آنے لگے۔ کیونکہ یہ کورس ناصرات کے ساتھ وقفِ نَو کے نصاب میں بھی شامل ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مقدس ورثہ، چشمہ زمزم، اصحاب الفیل ننھے بچوں کے لئے سیرت نبویؐ کو آسان زبان میں کہانیوں کی صورت دے کر اپنے اندر کے عشق رسولؐ کو آنے والی نسلوں میں منتقل کر رہی تھی۔ میرے مولا اس کی رُوح پر ہزاروں رحمتیں نازل فرما۔

دیکھو تو بشریٰ تیری یہ اچانک جدائی کتنوں کو خون کے آنسو رلا گئی۔ لجنہ مرکزیہ ربوہ جو حضرت سیّدہ چھوٹی آپا مریم صدیقہ صاحبہ صدر لجنہ پاکستان کی صحت یابی کی خوشی میں ۲۲ر جولائی ۱۹۹۳ء کی شام پروگرام تیار کر چکے تھے۔ فوری طور پر ملتوی کر دیا... تمہیں بھی تو آپا تو سی سے بہت پیار تھا۔ وہ بھی مجھے گلے لگائے رو دیں۔ کہنے تو ٹھیک ہی ہیں کہ "اتنی محبت بڑھاتی ہی نہیں چاہئے ساری رات لگتا رہا کہ دل کو کوئی نوچ رہا ہے۔" حضرت سیّدہ چھوٹی آپا نے فرمایا کراچی والے تو بشریٰ کہتے تھے۔ لیکن ہم اُسے حوری کے نام سے بھی جانتے ہیں محترمہ صفیہ عزیز صاحبہ کو بھی وہ پرجوش میٹنگ یاد آرہی تھیں۔ جو لجنہ کراچی اور لجنہ مرکزیہ کی ہوا کرتی تھیں۔ سٹاف کی ہر ممبر کی آنکھ میں آنسو ہیں..... گذشتہ سال ہی تو لجنہ لاہور کے سیرت کے جلسوں کو تو نے رونق بخشی۔ وہاں بھی تو نے اپنی آواز کا جادو جگایا... تیرے چاہنے والے تو جہاں جہاں بھی ہیں تجھے کبھی نہ بھول پائیں گے۔ ٥

دل پہ وہ چوٹ لگی ہے کہ دکھا بھی نہ سکوں
اور چاہوں کہ چھپا لوں تو چھپا بھی نہ سکوں
آشنا غیر نہیں اپنے غم پنہاں سے
ضبط کر بھی نہ سکوں اشک بہا بھی نہ سکوں

میں تو عرصہ کے بعد بچوں کو چھٹیوں میں لے کر ربوہ امّی کے پاس آئی۔ اب تو ہفتہ ہی تو رہ گیا تھا واپسی میں.... وکالتِ وقفِ نَو کا آرڈر تھا کہ ان کو دی جانے والی چھ کتب کا سٹاک اگر فی کتاب ۵۰۰ کی تعداد میں رکھوائی جا سکے تو مرکز آنے والے وفد کو دینے میں آسانی ہوگی۔ اس میں پانچ کتابیں تمہاری ہیں۔ سوچا تھا جاتے ہی تمہارے سامنے رکھوں گی.... تو حسبِ سابق تم باہنوں میں لے لو گی۔ اسی پُر جوش انداز میں مبارک باد دیتے ہوئے ماتھا چوم لو گی اور پھر بڑی انکساری سے کہو گی۔ او میری بہن اس میں ہماری کوئی بہادری نہیں یہ سب تو میرے پیارے آقا کی دُعائیں ہیں۔ میرے مولا کے احسان ہیں۔ ہم ہیں کیا چیز.... واقعی ہم کچھ چیز بھی نہیں... ورنہ کوئی تو تیری راہ روکتا.... تیرا وہ عظیم باپ... تیری صابر ماں، تیرا قدر دان شوہر جن کی مثالیں تو بارہا دیا کرتی تھی.... تیرا اکلوتا بھائی، تجھ سے پیار کرنے والی تیری بھابھی جن کے تو گن گایا کرتی تھی۔ یہ بی تیری چھوٹی بہن جو تجھے اپنے جگر گوشوں طاہر اور ناصر کی طرح پیاری تھی۔ اور وہ ننھی طوبیٰ جو فون پر سلام سنتے ہی پکارنے لگتی.... امّی آپ کا فون چاول والی آنٹی.... اور تمہارا سلام کے ساتھ جاندار قہقہہ.... کیسے

چاول کھلائے تھے کہ تمہاری شناخت ہی یہ بن گئی ہے .... تو نے اس کی خوشیوں میں بھی منفرد رنگ بھرے۔ طوبیٰ کی آمین کے حوالے لان پر جو فنکشن کیا۔ ہلکا پھلکا سیرت کا جلسہ ہی بن گیا کبھی طوبیٰ کی گڑیا کی شادی کے بہانے اہلِ محلہ کو گھیر لیا۔ تُو اپنے آباء کا ذکر بھی جس عقیدت و احترام سے کرتی وہ تیرا ہی حصّہ تھا۔ تجھے فخر تھا کہ تیرے دادا جان کی قربانیاں بہت عظیم تھیں۔ جن گلیوں میں اُن کا لہو احمدیت کے لئے بہا۔ اُس کا رنگ تیرے لہو میں بھی تو شامل تھا۔ تو اپنے جوش، جذبہ اور عشق کا سہرا اپنے بزرگوں کی دُعاؤں کے سر ہی باندھتی ... ہاں ہاں اُن دعاؤں کی طاقت ہی تو تھی۔ کراچی سے ربوہ تک کا طویل سفر کر کے بھی تو رات گئے جب سب آرام کے لئے لیٹ جاتے... تو بھی تو سب لائٹیں بجھا کر اپنے سر پر دیئے کی طرح ٹمٹماتے والا بلب جلائے اپنا مسودہ مکمل کرنے کی فکر میں تھی .... تو تب بھی مجھے بہت عظیم لگی تھی.... سحری کے قریب آنکھ کھلنے پر تجھے کہا کہ خدارا کمر سیدھی کر لے۔ تو جواباً یہی کہا کہ ہاں ہاں تھوڑا سا کام رہ گیا ہے۔ لیکن دیکھو بہشتی مقبرے جاتے ہوئے مجھے ضرور ساتھ لے لینا... رات دس بجے باری آپا سے پوچھا .... کہ شاید اب بھی تو بہشتی مقبرہ آئے۔ لیکن تیری آخری آرام گاہ تیرے اپنے وطن ہی میں بنی .... تو سب کے دلوں کو سوگوار و زخمی کر گئی۔ ہم تجھے کبھی نہ بھلا سکیں گے۔ تو نے میدانِ عمل میں جان دی .... تو لجنہ کی تاریخ احمدیت میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔ تیری یہ تخلیق کردہ کتابیں تجھے حیاتِ جاودانی دیتی رہیں گی۔ جو وقفِ نو ان سے فیض پائیں گے۔ اُس کی جزا میرا مولا تا قیامت تجھے دیتا رہے اور تیری نسلوں کو بھی .... تیرا یہ فقرہ سدا میرے کانوں میں گونجتا رہے گا کہ میں تو ہمیشہ یہ دُعا کرتی ہوں۔ "میرے مولا تو مجھے اُس وقت اپنے پاس بلانا جب تو مجھ سے راضی ہو۔"

خدا کرے تیری طرح ہم بھی اپنے مولا کی رضا کی راہوں پر چلنے والے ہوں۔ یہ یادیں تو بشری تقاضے اور کمزوریاں ہیں۔ یہ سب محبتیں بھی تو اُسی کی عطا کردہ ہیں۔ لہٰذا ؎

اے میری جاں ہم بندے ہیں اک آقا کے آزاد نہیں
اور سچے بندے مالک کے ہر حکم پہ قربان جاتے ہیں
ہے حکم تمہیں گھر جانے کا اور ہم کو ابھی کچھ ٹھہرنے کا
تم ٹھنڈے ٹھنڈے گھر جاؤ ہم پیچھے پیچھے آتے ہیں

خدمتِ دین میں زندگی کا لطف

وہ لوگ جن کو پہلے دین کی خدمت کی عادت نہیں۔ جب رفتہ رفتہ ان سے خدمت لی جاتی ہے تو ان کے اندر سے ایک نیا شعور پیدا ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں تو اب زندگی کا پتہ چلا ہے۔ اس سے پہلے تو غفلت کی حالت میں وقت ضائع کیا۔ اور ان کو زندگی کا لطف آنے لگ جاتا ہے

حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع
۲۲ر نومبر ۱۹۹۱ء

برکت ناصر

ایک عالم ہے تیری یاد میں بیکل بشریٰ

ایک عالم ہے تیری یاد میں بیکل بشریٰ
صرف ہم ہی نہیں دُنیا تیری شیدائی ہے

اب تو سوچا ہے کسی کو بھی نہ چاہا جائے
دل کے سنّاٹے سے ایسی ہی صدا آئی ہے

اب تو ہم لوگ ہیں اور یاد کی گھنگھور گھٹا
اب کے برسات نئے رنگ میں در آئی ہے

دل کے بہلانے کی کوئی نہیں صورت باقی
تم سے جو رشتہ تھا اس میں بڑی گہرائی ہے

تم نے تو بشریٰ نئی دُنیا بسا لی جا کر
مُڑ کے دیکھا بھی نہیں کون تمنّائی ہے

کاسۂ دل لئے جو کھٹ پہ چلی آئی ہوں
میری تو مولا کے دَر سے ہی شناسائی ہے

مبارکہ مسعود

وہ امر ہوگئی

میری بھانجی کا نام حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی نے حورِ جہاں رکھا۔ ہماری بڑی بہن بلقیس جہاں نے بشریٰ رکھا۔ شروع میں دونوں نام چلتے تھے۔ مگر جب حضرت امام جماعت احمدیہ الثالث نے بشریٰ داؤد لکھا تو یہی نام زیادہ معروف ہوگیا۔

بشریٰ بچپن سے ہی ہوشیار، ہونہار اور ذہین تھی۔ چار سال چار ماہ اور چار دن کی عمر میں قاعدہ شروع کیا اور پونے چھ سال میں قرآن پاک مکمل پڑھ لیا۔ رام سوامی کے سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ بی ایس سی گورنمنٹ کالج فار ویمن سے کیا۔ ایم ایس سی بیالوجی کراچی یونیورسٹی سے کیا۔ تعلیم میں اچھے نتائج کے ساتھ ساتھ اُس نے گھرداری کے سارے ہنر سیکھے۔ اور سکھائے۔ ناصرات و لجنہ کا کام سرگرمی سے کیا۔ گھر کے مرمّت وغیرہ کے کئی کام وہ خود ہی کر لیتی۔

میں ایران میں تھی جب شادی کے بعد بشریٰ ایران آئی۔ ہم تہران میں رہتے تھے۔ بشریٰ کے آنے پر آپا سلیمہ صاحبہ صدر لجنہ کراچی کا خط وہاں کے امیر صاحب کو ملا کہ بشریٰ سے خوب کام لیں یہ باصلاحیت لڑکی ہے۔ چنانچہ وہاں لجنہ کی تنظیم قائم کی۔ بیگم امیر صاحب صدر بشریٰ جنرل سیکرٹری اور خاکسار سیکرٹری تعلیم و تربیت مقرر ہوئیں۔ ہمارے پاس جماعتی کتب نہ تھیں۔ خود ہی نصاب تیار کیا۔ باقاعدہ اجلاس ہونے لگے۔ حوری کی خوش اخلاقی اور ملنساری میں مقناطیسی کشش تھی۔ اس کا حلقہ احباب وسیع تھا جس میں جماعت کی تخصیص نہ تھی۔ گھر پر بڑی دعوتیں کرتی۔ مشکل کام خود اپنے ذمے لیتی اجلاس وغیرہ پر لاتے لے جانے کے لئے دونوں میاں بیوی ہر دم تیار رہتے۔ یہی نہیں بیماروں اور مسافروں کی خدمت کرنا بھی، دونوں کا شعار تھا۔ گھر پر رکھنا، کھلانا، پلانا، آرام دینا شاپنگ کروانا، تحفے تحائف دے کر رخصت کرنا معمولات میں شامل تھا۔

ایک واقعہ بطور خاص یاد آرہا ہے۔ ایک عمر رسیدہ خاتون پاکستان سے اپنے بیٹے کے پاس آئی ہوئی تھیں۔ بشریٰ کو بزرگوں کی خدمت کی حرص رہتی۔ ضعیف خاتون کو گھر لے آئی۔ نہلایا دھلایا، گرم دودھ پلایا۔ اور اپنی امّی کا بھیجا ہوا گرم کوٹ اسے پہنا دیا۔ میں نے کہا بشریٰ یہ تو آپا جان نے بہت چاہت سے تمہارے لئے بھیجا تھا۔ بشریٰ نے میری طرف بڑے پیار سے دیکھا اور کہا، "میری پیاری سی خالہ جان۔ اللہ تعالیٰ بہت دے گا"۔ شادی کے کپڑوں کا بھرا ہوا اٹیچی کیس ضرورت مند بچیوں میں تقسیم کے لئے دے دیا۔

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ دنیا کی کسی بھی دولت کو خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بغیر ملال کے شوق سے لٹا دیتی

تھی ۔

حوری کی وفات سے تقریباً دو ماہ قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا دایاں ہاتھ کٹ گیا ہے اور مجھے کئی دفعہ آواز آتی تھی "وہ امر ہو گئی"۔ طرح طرح کے وہم آئے مگر حوری کی طرف دھیان بھی نہیں گیا کہ وہ فوت ہو جائے گی ۔

اِک دوست جواں سال، جواں عزم کی رحلت
لاریب اسی بات کا کھرتی ہے تقاضا
پل بھر کا بھروسہ نہ کہیں صبح و مسا ہم
کیا جانے کہ آجائے گا کس وقت بلاوا

حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع فرماتے ہیں :-

" اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے (-) اے سکون کے متلاشیو سنو! تمہیں کہیں طمانیت نہیں ملے گی سوائے اس کے کہ تم اپنے رب کے ذکر میں محو ہو جاؤ اور اللہ کی یاد شروع کرو۔ اب اللہ کی یاد سے کیسے طمانیت حاصل ہو۔ اس مضمون کو خدا تعالیٰ نے مختلف رنگ میں بیان فرمایا ہے (-) اس کی بہت تفصیل ملتی ہے کہ اس سے مراد محض ایک ایسا ذکر نہیں ہے جس کے نتیجہ میں انسان منہ سے اللہ اللہ کہنا شروع کر دے اور پھر سمجھے کہ اس کا دل تسکین پا جائے گا اور طمانیت حاصل کر لے گا۔ بلکہ اس کے پیچھے ایک گہرا فلسفہ کارفرما ہے (-) ذکرِ الٰہی اور عبادت دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ جب تک انسان خدا کا عبد نہ بنے اس وقت تک اسے ذکرِ الٰہی کی توفیق نہیں مل سکتی۔ ان دونوں چیزوں کا آپس میں ایک گہرا تعلق ہے۔ اس (-) میں وہ ذکرِ الٰہی مراد ہے جو "عبد" کا ذکر ہو۔ یعنی خدا کے ان بندوں کا ذکر ہو جن کو خدا تعالیٰ اپنی اصطلاح میں "عبد" شمار کرتا ہے وہ کن کو شمار کرتا ہے۔ وہ کون ہیں کہ جب وہ اس مقام پر فائز ہو جاتے ہیں تو پھر ان کا ذکرِ الٰہی کرنا ان کے لئے موجبِ تسکین بن جاتا ہے ان کے متعلق (-) فرماتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب یہ مر رہے ہوتے ہیں تو بستر مرگ پر ان کو یہ آواز سنائی دیتی ہے (-) کہ اے میرے بندو! تم اس دنیا میں مجھ سے راضی ہو کر رہے۔ میں تمہیں یہ بتاتا ہوں کہ جب تم مجھ سے راضی ہو گئے تھے تو تم مرضیہ بھی بن گئے۔ یعنی میں بھی تم سے راضی ہو گیا اور اسی کا نام عبودیت ہے۔ فرمایا اس حالت کے بعد ہم تمہیں یہ خوشخبری دیتے ہیں (-) کہ اب تم حق رکھتے ہو کہ میرے بندے کہلاؤ۔ پس میرے بندوں کی صف میں داخل ہو جاؤ (-) جو کچھ میرے بندوں کا ہے وہ میرا ہے اور جو میرا ہے وہ میرے بندوں کا ہے (-) پس میری جنتیں تمہاری جنتیں ہو گئیں۔"

(از خطبہ فرمودہ ۲۶ نومبر ۱۹۸۲ء)

امۃ الباری ناصر

جستہ جستہ

خطیبوں کی دعا

جماعت احمدیہ ضلع کراچی کے سالانہ جلسہ منعقدہ گلشن مہران ۱۹۸۹ء کے لئے بشریٰ داؤد صاحبہ کی تقریر رکھی گئی۔ کراچی کی جماعت کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ ایک خاتون کی تقریر مردوں میں بھی سنوائی جائے۔ بشریٰ تمام تر تجربے اور اعتماد کے باوجود فطری طور پر کچھ گھبرا رہی تھی۔ اُس نے اللہ پاک سے استعانت طلب کی اور بزرگوں کو دعا کے لئے کہا خود بھی بڑے درد و الحاح سے دُعا کرتی رہی۔ ہم بھی اُس کے لئے دعا کرتے رہے۔ اللہ پاک نے اس کی دعاؤں کو سنا اور اس کی جمعیت خاطر کا سامان اس طرح فرمایا کہ اُس نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا عبدالمالک خانصاحب اور محترم مولانا سلطان محمود انور صاحب اور دیگر کچھ بزرگ تشریف فرما ہیں اور بشریٰ کے لئے دعا کر رہے ہیں اور دعائیں پڑھ پڑھ کر بشریٰ کو پھونک رہے ہیں۔ خواب میں دیکھے گئے دونوں بزرگ فن خطابت میں طاق ہیں۔ بشریٰ کو یقین ہو گیا اللہ پاک غیر معمولی تائید و نصرت فرمائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

دعا میں شغف

داؤد صاحب نے بتایا کہ بشریٰ کی طبیعت ٹھیک نہ ہوتی اور مجھے فکر ہوتا کہ رات کو کچھ آرام کر لے۔ صبح سے پھر گھر کے اور لجنہ کے کام شروع ہو جائیں گے۔ لکھنے پڑھنے کا کام تو وہ میرے ہی کمرے میں کرتی تھی۔ میں دیکھتا رہتا کہ ابھی موڈ طاری ہے۔ روکنے سے رُکے گی نہیں۔ مگر جب ڈرائینگ روم میں ہوتی تو اُٹھ اُٹھ کر دیکھتا کہ سجدے میں بلک بلک کر رو رو کر دعائیں کر رہی ہوتی۔

صاحبِ قلم

اللہ پاک کا احسان ہے کہ بشریٰ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ اُس کے پاس پیارے حضور ایدہ الودود کے عطا کردہ کئی قلم موجود تھے۔ یہ قابلِ رشک ایوارڈ بجا طور پر بشریٰ کو صاحبِ قلم ثابت کرتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے۔

گھوڑے پر سوار

۱۹۸۶ء کی بات ہو گی احمدیہ ہال میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ ہو رہا تھا ہال بھرا ہوا تھا۔ بشریٰ سے پہلے میری تقریر تھی۔ بشریٰ نے کہا جتنی دیر تم تقریر کرو گی میں دعا کرتی رہوں گی پھر میری تقریر کے دوران تم دعا کرتی رہنا۔ یہ خوشگوار عہد نبھاہا۔ بشریٰ

تقریر کرتی رہی۔ سامعات ساکت، مسحور اور خاکسار دُعا میں مصروف رہی۔ تقریر کے دوران کبھی کبھی بشریٰ کی آواز شدّتِ محبت سے بھرا جاتی۔ کبھی وہ اس طرح آنکھیں بند کر لیتی جیسے سر تا پا ڈوب گئی ہو۔ تقریر کے بعد اس نے بتایا آج عجیب واقعہ ہُوا۔ اُس کے ہاتھ ٹھنڈے چہرہ سُرخ اور جسم پر کپکپاہٹ تھی۔ کچھ خوف زدہ بھی تھی۔ اُس نے بتایا کہ جب میں تقریر کر رہی تھی تو مجھے ایسے محسوس ہوتے لگا کہ ہال کے دروازے بڑے ہو رہے ہیں اتنے بڑے جیسے قلعوں وغیرہ میں ہاتھی سواروں کے لئے ہوتے ہیں اور دروازے سے گھوڑے پر سوار پیارے آقا حضرت سیّدنا امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ہال میں تشریف لا رہے ہیں۔" یہ واقعی عجیب بات تھی اس لئے بشریٰ اور میں خاموش ہی رہے اور کسی سے اس کا ذکر نہ کیا۔

مولا کا کرم

بشریٰ کا تکیہ کلام تھا یہ میرے مولا کا کرم ہے۔ اور بے حد شاکر کرتی۔ ایک دفعہ ہم ایک ساتھ سیرت کے جلسے میں جا رہے تھے۔ سڑک کے دونوں طرف عالی شان رہائشی بنگلے تھے۔ پھر اندر سے محل نما گھروں کی سجاوٹیں دیکھ کر کچھ رشک سے ذکر کیا۔ بشریٰ نے کہا۔ "مولا کا کرم ہے اس نے ہمیں اتنی خوبصورتیاں دکھا دیں۔ کئی تو یہ سب دیکھ بھی نہیں سکتے۔"

انجام بخیر

بشریٰ کی آٹو گراف بک میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے دستِ مبارک سے ۱۱ راگست ۱۹۶۳ء کا لکھا ہُوا شعر ہے ؎

یارب یہی دُعا ہے کہ انجام ہو بخیر
ہر وقت عافیت رہے ہر گام ہو بخیر

سجا سجایا گھر

ایران میں قیام کا زمانہ کشائش کا زمانہ تھا۔ گھر بے حد خوبصورتی سے سجایا۔ داؤد صاحب کے ساتھ بہت سے ملکوں کی سیر کی اور جگہ جگہ سے نوادر جمع کئے۔ بشریٰ اور داؤد صاحب دونوں کا ذوق بہت نفیس ہے۔ مگر جب اچانک بھرا پھرا یا گھر چھوڑنا پڑا تو اللہ پاک سے دُعا کی کہ یہ گھر یاد نہ آیا کرے۔ سب در و دیوار پر ایک نظر ڈالی اور گھر چھوڑ دیا۔ پھر کراچی آ کر تنکا تنکا جمع کر کے آشیانہ بنایا۔ اور جب یہ آشیانہ بھی مثالی طور پر سج گیا تو اپنا سجا سجایا گھر چھوڑ کر اپنے آخری ٹھکانے کی طرف پرواز کر گئی رہے نام اللہ کا۔

واشنگ مشین

داؤد بھائی صاحب پرانے سامان کی دکان کے پاس سے گزر رہے تھے کہ ایک واشنگ مشین دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ وہی ماڈل تھا جو ایران میں بشریٰ استعمال کرتی تھی۔ اور وہیں رہ گئی تھی۔ داؤد بھائی کا دل چاہا، پرانی ہے تو کیا مرمت کروالیں گے۔ بشریٰ دیکھ کر بہت خوش ہوگی قیمت پوچھی تو پانچ ہزار۔ اگرچہ مشین کی قیمت کے مقابلے میں پانچ ہزار میں تقریباً مفت لگی مگر پانچ ہزار موجود نہیں تھے۔ پھر کئی دفعہ ایسا ہُوا کہ اُدھر سے گزر ہوتا۔ مشین پڑی دیکھتے اور گھر آ کر بشریٰ کو بتاتے "بوشو" وہ مشین ابھی تک نہیں بکی۔

حتیٰ کہ بشریٰ نے کہنا شروع کیا چھوڑیں اب مجھے چاہیئے بھی نہیں ہاتھ سے آرام سے کپڑے دھولیتی ہوں جب کبھی مولا پیسے دے گا۔ نئی خرید لیں گے۔ دونوں جانتے تھے کہ مشین گھر کی ضرورت ہے مگر ایک دوسرے کو طفل تسلّی دے رہے ہوتے ایک دن حسب معمول داؤد صاحب وہاں رُک گئے مشین کو دیکھا اور چل دیئے ابھی دکان سے باہر نکلے ہی تھے کہ کندھے پر ایک بے تکلف ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ قریشی تم! مَیں تو تمہیں تلاش کرتا رہا۔ مجھے تمہاری کچھ رقم دینی تھی۔ پھر جیب میں ہاتھ ڈالا بٹوا کھولا اور پانچ ہزار روپے داؤد بھائی کو دے دیئے۔ داؤد صاحب نے اُسی وقت مشین خرید لی اور اپنی بوشو کے لئے خوشی حیرت اور مولا کے شکر کا موقع فراہم کردیا۔

قصیدہ اور چہل احادیث

کراچی کی ناصرات الاحمدیہ میں قصیدہ اور چہل احادیث حفظ کرنے کا شوق بشریٰ کا پیدا کیا ہُوا ہے۔ وہ خود جب ناصرات میں تھی جب سے اُس نے بچیوں کو قصیدہ یاد کرانا شروع کیا تھا اب تک وہ بچیاں خواتین بن کر کئی بچوں کو حفظ کرا چکی ہوں گی۔ صد سالہ جشن تشکر کے خصوصی پروگرام میں قصیدہ رکھا اور یاد کرنے والی ممبرات کو انعامات دیئے۔ طوبیٰ کو قصیدہ یاد کروایا جو وہ بڑے پیارے انداز میں صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھتی ہے۔ بچّوں کو نظمیں یاد کروانے کے لئے ماؤں کو کتنی بار دہرانا اور سُننا پڑتا ہے اس کا اندازہ کر کے سوچیئے بشریٰ کے گھر میں ہر وقت حمد و درود کا دَور دورہ رہتا ہوگا۔

علم کا نُور

آپریشن کے کچھ دن بعد جب ڈاکٹر ٹانکے کھولنے لگیں تو بشریٰ کے چہرے پہ ہلکے سے درد سہنے کے تأثرات دیکھ کر ڈاکٹر نے کہا۔ آپ کو بالکل درد نہ ہوگا۔ پتہ بھی نہیں چلے گا بس جس طرح THREADING یا PLUCKING میں بالکل معمولی سا محسوس ہوتا ہے ایسے ہی ٹانکے نکل جائیں گے۔ بشریٰ نے کہا میں نے ایسے جھنجھٹ کبھی نہیں پالے۔ کبھی کچھ نہیں کیا۔ ڈاکٹر بشریٰ کے چہرہ پر جھک آئیں غور سے اُس کے چڑیا کے پَر جیسی قدرتی طور پر کمان بھنویں دیکھیں اور بے ساختہ کہا۔

"تو پھر آپ کے چہرے پر یہ سارا علم کا نُور ہے"۔

نقد انعام کا مصرف

ایک دفعہ صدر لجنہ اماءاللہ کراچی نے ہمیں کچھ نقد انعام سے نوازا۔ بشریٰ دفتر نہیں آئی تھی اُس کا لفافہ بھی میرے پاس تھا۔ مجھے علم تھا کہ بشریٰ کا ہاتھ تنگ ہے۔ دل میں خوش ہو رہی تھی اچھا ہے بُشریٰ کا کوئی کام نکل جائے گا مگر جب گھر آکر فون پر مَیں نے اُسے بتایا تو اُس نے مجھے کہا اوّل تو اس کی ضرورت نہیں۔ تاہم اگر انعام ملا ہے تو ایسے کہو کہ لفافہ کھولے بغیر طاہر ہارٹ میں جو ہسپتال بن رہا ہے۔ اس میں دے دو۔

بصیرت عبدالصمد

یہ ہماری بشریٰ داؤد کا قلمی نام ہے۔ مَیں نے رکھا

تھا۔ ہم دونوں نے ایک ایک قلمی نام رکھا تھا اور غیر جماعتی اخبارات کے لئے قلمی نام سے لکھتے تھے۔ ذاتی خطوط لکھے جاتے۔ دانشوروں کو دانش مندی سکھائی جاتی۔ بشریٰ کو یہ نام بہت پسند تھا۔

مانواں ٹھنڈیاں چھانواں

حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ چھوٹی آپا صدر لجنہ پاکستان آپریشن کے بعد جب کراچی سے رخصت ہو رہی تھیں تو ایک تقریب میں چند قطعات پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ بشریٰ نے کئی مرتبہ کہا "ماں" کے متعلق جو قطعے کہے تھے وہ مجھے لکھوا دو۔ ہر دفعہ ایسا ہوتا کہ ڈائری سامنے نہ ہوتی۔ میں کہتی لکھوا دوں گی۔ بشریٰ کو تسا ہم کہیں جا رہے ہیں۔ مگر اچانک وہ اتنی دُور چلی گئی کہ اب میں اُسے قطعے لکھوا نہیں سکتی۔ اپنے دل کی تسلّی کے لئے بشریٰ کے نام دو قطعے پیش کر دیتی ہوں۔ ؎

(۱)

کہاں ہم اور کہاں یہ ہستیاں پُر نور و بابرکت
ہماری خوش نصیبی ہے کہ ان کی دید ہوتی ہے
مبارک آج کی یہ ساعتِ رنگیں مبارک ہو
ہمارا چاند نکلا ہے ہماری عید ہوتی ہے

(۲)

سر پہ سایہ رہے ماں کا تو سکون ملتا ہے
میرے سر پر میری چھاؤں کو سلامت رکھنا
ہم تو ماں اتنی پیاری ہے دُعا کرتے ہیں
میرے مولا سب ہی ماؤں کو سلامت رکھنا

کسی کی ماں کسی بھی عمر میں اکیلا چھوڑ جائے تو لگتا ہے سر پر سے ٹھنڈا سایہ رخصت ہو گیا۔ پنجابی کے چند اشعار یاد داشت سے لکھ رہی ہوں جن کو پڑھ کر اپنی اپنی ماں ضرور یاد آئے گی براہ کرم بشریٰ کے بچوں کو دُعاؤں میں یاد رکھئے۔ ؎

بے شک مانواں ٹھنڈیاں چھانواں لاڈ لڈادن سارے
کوئی نہ کوئی یتیماں تائیں آ فرزند پیارے
جھڑکیں نہ یتیم کسے نوں جس دی مر گئی مائی
مانواں باج یتیماں تائیں دل دِچ حرص نہ کائی
مانواں دالے تہر خوشی وچ وانگ بغیچیاں پل دے
رب دی آس یتیماں تائیں جیویں دُکھ جنگل سے
مانواں والے مانواں دے دل سو فریاد لیادن
رو رو موٹیاں مانواں والے آپے چُپ کر جادن

نیلی مخمل کے جُوتے

تین سال کی بشریٰ گھر کے سامنے ریڑھی پر بکنے والے نیلی مخمل کے چھوٹے چھوٹے بُوٹ دیکھ کر مچل گئی اور اپنی امّی جان سے ضد کرنے لگی کہ مجھے نیلے نیلے بُوٹ دلا دیجئے۔ امّی نے بڑے پیار سے وعدہ کیا کہ ریڑھی والا تو روز آتا ہے جس دن پیسے ہوں گے دلا دُوں گی۔ بشریٰ کو جب امی کی جیب سے فرمائش پوری ہونے کی کوئی اُمید نہ رہی تو اپنے دادا جان کی طرف لپکی، "ابا جی نیلے نیلے جوتے لینے ہیں"۔ ابا جی کی جیب کا بھی وہی حال تھا جو اُس کی امّی کی جیب کا تھا۔ وعدہ کیا اور بہت پیار سے کہا کہ یہ جُوتے تمہیں ضرور دلا دیں گے مگر اس وقت پیسے نہیں۔ جب ادھر سے بھی توقع نہ رہی تو تھوڑی دیر مچلنے کے بعد گود سے اُتر گئی اور ابا جی برابر کہتے رہے

کہ یہ جوتے میں تمہیں ضرور دلاؤں گا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اباجی کو دیکھا اور کہا

اچھا اباجی آپ ساتھ انشاءاللہ تو کہیئے۔

اباجی کو بچی پر اس قدر پیار آیا کہ اسی وقت گود میں اٹھایا اور جوتے دلا دیئے۔ پیسوں کا جو بھی انتظام ہوا یہ اُس ننھی جان کے اپنے خدا سے پیار سے ہوا۔ جس نے ہر طرف سے نا امید ہو کر انشاءاللہ کہلایا تھا۔

آل پاکستان ورکنگ ویمن ایسوسی ایشن

ہم اس ایسوسی ایشن کے ممبر بنے اور اس کی تقریبات میں شامل ہوئے۔ حکمت سنوری صاحبہ کے اعلیٰ عہدے داران کی بیگمات سے تعلقات محبت سے میٹنگ میں تعلیم یافتہ خواتین جمع ہوتیں۔ ان کے لئے کارآمد پروگرام ترتیب دینے میں بشریٰ کا بھی حصّہ تھا۔ ایک سیرت کانفرنس میں بشریٰ جانِ محفل بن گئی۔ تقریر کے بعد جس کا موضوع تھا "آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلّم کے طبقۂ نسواں پر احسانات"۔ سندھ کی روایات کی اسیر خواتین خاص طور پر بشریٰ کے ارد گرد جمع ہو گئیں اور بتایا کہ یہ تعلیم کس قدر پیاری ہے۔ مگر ہمارے علاقے میں عورت کی حیثیت بہت کمتر سمجھی جاتی ہے۔ بعض خواتین نے اپنے حالات بھی سنائے اور پھر سلسلہ چل نکلا کہ جو ایک دفعہ بشریٰ سے مل لیتا اُسی کا ہو جاتا۔ بڑے دلچسپ تبصرے موصول ہوئے جن میں ایک یہ تھا کہ کس طرح آپ یہ تقریر ہمارے مَردوں کے سامنے بھی کریں۔ کئی نئے راستے کھلے اور ہماری خواتین کے دائرہ اثر میں اضافہ ہوا۔

اخلاقِ حسنہ سیکھو

"ایک دوسرے کے ساتھ خوش خُلقی سے پیش آؤ۔ کسی کی غیبت نہ کرو۔ کسی کے مال میں خیانت نہ کرو۔ کسی سے بُغض اور کینہ نہ رکھو۔ عورتوں میں چغلی اور غیبت کی مرض بہت پائی جاتی ہے۔ اگر کسی کے متعلق کوئی بات سُن لیں تو جب تک دوسری کے سامنے بیان نہ کر دیں۔ انہیں چین نہیں آتا۔ جو بات سُنتی ہیں جھٹ دوسری کے سامنے بیان کر دیتی ہیں۔ حالانکہ چاہیئے یہ کہ اگر کوئی بھائی بہن کا نقص اور عیب بیان کرے تو اُسے منع کر دیا جائے۔ لیکن ایسا نہیں کیا جاتا۔ چغلی کرنا بہت بڑا عیب ہے۔"

(الازھار لذوات الخمار)

قراردادِ تعزیت

بر وفات محترمہ بشریٰ داؤد صاحبہ سیکرٹری اصلاح وارشاد لجنہ اماء اللہ کراچی

ہم اراکین مجلس عاملہ جماعت احمدیہ کراچی و مربیانِ سلسلہ عالیہ احمدیہ مقیم کراچی آج کے اجلاسِ عاملہ منعقدہ ۲۱ر جولائی ۱۹۹۳ء میں مکرمہ و محترمہ بشریٰ داؤد صاحبہ زوجہ محترم داؤد احمد قریشی صاحب (پریذیڈنٹ حلقہ صدر) و بنت محترم مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب (نائب امیر جماعت احمدیہ کراچی) کی اچانک وفات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔

موصوفہ لجنہ اماء اللہ کراچی کی ایک نہایت مخلص، فدائی اور بے لوث خدمت کرنے والی خاتون تھیں۔ آپ لجنہ اماء اللہ کراچی کے شعبہ اصلاح و ارشاد کی سیکرٹری تھیں اور ایک لمبے عرصہ سے اپنے فرائضِ منصبی نہایت خوش اسلوبی اور احسن رنگ میں ادا کرتی چلی آرہی تھیں۔ موصوفہ کو اللہ تعالیٰ نے فنِ خطابت میں ایک خاص دل موہ لینے والا ملکہ عطا کیا ہوا تھا۔ آپ لجنہ میں بہت مقبول اور ہر دلعزیز تھیں۔ اور لجنہ کراچی کے لئے ایک عظیم سرمایہ تھیں۔ بشریٰ داؤد صاحبہ کی اچانک وفات نہ صرف کراچی کی تمام لجنات کے لئے ایک عظیم صدمہ ہے بلکہ جماعتِ احمدیہ کراچی کے لئے بھی ایک سانحۂ عظیم ہے۔ ہم قادرِ مطلق و خالقِ حقیقی کے حضور صرف یہی عرض کرتے ہوئے دُعا کرتے ہیں کہ :- ؎

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تُو جاں فدا کر

اللہ تعالیٰ موصوفہ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ اور ان کے بچّوں کا خود کفیل ہو۔ ان کے شوہر محترم داؤد احمد قریشی صاحب، موصوفہ کے والد محترم مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب، والدۂ محترمہ اور جملہ عزیزوں کو بھی صبرِ جمیل سے نوازے۔

اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کراچی اور لجنہ اماء اللہ کراچی کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور اس خلاء کو خود پورا کرنے کے سامان پیدا فرمائے۔

اس اجلاس میں یہ بھی قرار پایا کہ محترمہ داؤد بشریٰ صاحبہ کے تمام قریبی عزیز و اقارب نیز صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ کراچی اور ماہنامہ مصباح ربوہ کو بھی اس کی نقول ارسال کی جائیں۔

شریکِ غم

اراکینِ عاملہ و مربیان جماعت احمدیہ کراچی

محمد رفیق احمد۔ ربوہ

خوب تھی تقریر تیری دلنشیں حُسنِ بیاں

آہ! چل بسی بشریٰ داؤد حُورِ جہاں
چھوڑ کر سب کو حزیں قلبِ تپاں
"بلانے والا ہے سب سے پیارا"
ہو گئی بالآخر فدا اُس پہ ہی جاں
سب تھے گرویدہ تیرے اوصاف کے
کس کو یقیں تھا موت کا کس کو گماں
بہت بلند اخلاق تھا، سیرت حسیں
اَن گنت تھیں تجھ میں ایسی خُوبیاں
تھی فرشتہ تو مگر انسان کا اِک روپ تھا
کہہ رہی ہے یہ زمیں، کہہ رہا ہے آسماں
دین کی خدمت کا اس قدر کچھ شوق تھا
بن گئی لجنہ کراچی کی وہ اِک رُوحِ رواں
خوش تھیں عہدیدار سب، خوش امامِ وقت تھے
ایسی خوش بختی بھلا کس کے بس میں ہے کہاں
توحید کا پرچار تیرا کام تھا صبح و مسا
خُوب کی جی بھر کے تم نے خدمتِ قرآں
خاص تھا موضوع تیرا سیرتِ ختمِ رُسلؐ
خوب تھی تقریر تیری دلنشیں حُسنِ بیاں
بہت سی لکھیں کتابیں کئی چھپے مضمون بھی
دُعاؤں سے حضور کی قلم تھا تیرا رواں
موت سے گو بُجھ گئی ہے تیری شمعِ زندگی
رونقِ بزمِ جہاں میں قائم رہیں گی نیکیاں
تاریخ میں تو زندہ و جاوید ایسی ہوگئی
ہمت و عظمت کا اِک کہلائے گی روشن نشاں
جانے والی پر سدا برسیں خدا کی رحمتیں
سب کی دعا ہے جنت الفردوس ہو تیرا مکاں

بشریٰ — خطوط کے آئینے میں

حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ صدر لجنہ پاکستان

مکرمہ ہمشیرہ صاحبہ ......

عزیزہ حوری کی اچانک وفات کی خبر اس طرح ملی جیسے کوئی بم پھٹ جاتا ہے۔ یقین نہیں آرہا تھا۔ بار بار جگہ جگہ فون کریں۔ کراچی ملے ہی نہ۔ انتہائی صدمہ ہوا۔ آپ سب کا خیال آیا داؤد صاحب کا، بچّوں کا، کسی کی خوشی بھی نہ دیکھی۔ سلسلہ کی بہت خدمت کی۔ اس نے باوجود کمزور صحت کے تقریریں کرنی اور کام کرتے۔

اللہ تعالیٰ اسے جنت الفردوس میں جگہ دے۔ بہت پیار کا سلوک اس سے کرے۔ اس کے بچّوں کا حافظ و ناصر رہے۔ آپ سب کو صبر عطا کرے۔ معمولی زخم نہیں لگا۔ مکرمی بیگ صاحب کی تو صحت بھی کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کا حافظ و ناصر رہے۔ خاکسار

مریم صدیقہ

محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب

بزرگوارم مرزا صاحب .....

عزیزہ بشریٰ داؤد صاحبہ کی وفات بڑے صدمے کا باعث بنی۔ خصوصاً جب میری بیوی نے مجھے اُن کی خوبیوں، جماعت کے لئے اُن کی وابستگی اور جماعت کی خدمت کے لئے اُن کے جذبہ کے بارے میں تفصیل بتائی۔ میری بیوی بھی آپ سے اور دیگر عزیزان سے تعزیت کا اظہار کر رہی ہیں۔ اگرچہ اس وفات پر جس طرح میری بیوی نے صدمہ محسوس کیا ہے اُس سے تو یہ لگتا ہے کہ خود اُن سے عزیزہ بشریٰ کی تعزیت کرنی چاہیئے۔

اللہ آپ سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے آپ کو اور دیگر تمام عزیزان کو خود تسلّی اور سکینت بخشے عزیزہ کے بچّوں کو اپنی حفاظت میں رکھے اور براہِ راست وہ اللہ کی نظروں کے سامنے پرورش پائیں۔ میں ممنون ہونگا اگر میری طرف سے اور میری بیوی کی طرف سے سب عزیزان سے تعزیت کا اظہار کر دیں۔ اس غم میں اپنے آپ کو تنہا محسوس نہ کریں۔ سب جماعت آپ کے غم میں شریک اور آپ کے لئے دعاؤں میں مصروف ہیں۔

خاکسار - مرزا غلام احمد

مکرم حافظ مظفر احمد صاحب

مکرم بیگ صاحب کے نام اپنے خط میں تحریر کرتے ہیں " ... ربوہ میں دعوت الی اللہ کی کئی میٹنگز میں خوب خوب تجاویز اور مشورے دیئے۔ آپ کے ساتھ بنگلہ دیش کے سفر میں ان کی لکھی تقاریر (جو آپ ساتھ لائے تھے) دیکھ کر تو میں حیران ہی رہ گیا۔ اور جب حضور انور ان کی سیرت کی تقریر کا دلنشین تذکرہ فرما

رہے تھے تو میں خود جو حدیث کا طالب علم اور سیرت میرا من بھاتا موضوع ہے حسرت سے سوچ رہا تھا کہ کاش ان کی کوئی تقریر سنی ہوتی۔ اگرچہ کراچی میں گذشتہ میٹنگ میں مجھے لاہور میں اپنے دورہ اور تقاریر کا تذکرہ کیا مگر مجھے یہ اندازہ نہ تھا کہ لکھنے کے ساتھ ایسا اچھا بولتی بھی ہیں۔ کراچی میں سیرت کے جلسوں کی وہ سرخیل تھیں۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے۔

میں دلی طور پر آپ سے تعزیت کرتا ہوں اور آپ کے غم میں شریک ہوں۔ ان کے شوہر کو میرے دلی جذبات پہنچا دیجئے۔ بلاشبہ یہ ایک جماعتی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ پورا فرمائے۔

ملک مبشر احمد صاحب کے فون کے بعد چھوٹی آپا کو جب اطلاع دی تو وہ بھی سکتے میں آگئیں۔ بشریٰ موصوفہ کے بچے کتنے ہیں؟ ان کو بہت پیار۔

خاکسار ۔ حافظ مظفر احمد

محترم سید حسین احمد صاحب (مربی سلسلہ) اسلام آباد

آپ کی پیاری بیٹی کی وفات کی خبر حضور پر نور کی زبانِ مبارک سے سن کر بھی یقین کرنا مشکل تھا لیکن جب حضور پُر نور نے تفصیل بیان کی اور پھر توصیف کی تو ایک سکون نصیب ہوا۔ میری اہلیہ امۃ الحی کی طرف سے بھی تعزیت قبول کریں۔

محترمہ عطیہ امجد صاحبہ نیو جرسی

جس دن سے یہ خبر سنی ہے آج تک ایک لمحے کے لئے بھی فراموش نہیں کر پائی۔ وہ تو اتنی پیاری ہستی تھیں کہ میرا قلم ان کے بارے میں لکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

محترمہ اہلیہ صاحبہ صاحبزادہ محمد طیب لطیف صاحب

بشریٰ داؤد کی وفات کی دردناک خبر سے دلی دکھ اور صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ عزیزہ کو بخشش کی چادر میں ڈھانپ کر درجات بلند سے بلند تر فرماتا چلا جاوے۔ دراصل ہم اپنی خوشی کو ہر وقت اپنے محبوب خدا تعالیٰ کی خوشی پر قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس لئے اتنا بھاری صدمہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کے لئے آسان فرما دیتا ہے۔ ؎

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

محترم شمیم احمد خالد صاحب بلجیئم

جواں سال اولاد کی وفات ایک بڑا سانحہ ہے۔ میں تو الفاظ نہیں پا رہا جن سے ہمدردی کا اظہار کروں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور عمر کے اس حصہ میں آپ کو صدمات سے بچائے اور فعال زندگی عطا فرمائے۔ آپ مجھے بہت عزیز ہیں۔ آپ کی تکلیف کا خیال کر کے دل کو غم ہے۔

محترمہ ڈاکٹر نصرت جہاں صاحبہ فضل عمر ہسپتال ربوہ

خبر سن کر میں جہاں بیٹھی تھی وہیں منجمد ہو گئی۔ اس کا چہرہ اس کی باتیں ایسی حواسوں پر طاری ہیں کہ عبادت میں بھی توجہ قائم نہیں رکھ سکتی۔ جانا تو سب نے ہے مگر ایسا انجام! خود خطبہ سنتیں تو اچھل پڑتیں۔ خدا تعالیٰ نے خالو جان بیگ صاحب کو ایسا اعزاز عطا فرمایا۔ گویا تمغہ دے دیا۔ آپ کو مبارک ہو۔ اس مبارک

زبان نے ساری دُنیا کے سامنے آپ کا اور آپ کی خوش نصیب صاحبزادی کا اتنا اعلیٰ ذکر فرمایا۔

محترم ثاقب زیروی صاحب لاہور

۲۶ ستمبر کے الفضل سے یہ مضمون کھلا کہ یہ زخم تو میرے بھائی کو پہنچا ہے۔ اب سرتا پا قلق ہوں۔ شرمندگی میں ڈوبا ہوا ہوں۔ رُوح کا ذرہ ذرہ انفعال میں غرق ہے تقدیرِ الٰہی کے آڑے یقیناً نہیں آسکتا تھا لیکن اپنے شفیق و خلیق بزرگ بھائی کے آنسوؤں میں اپنے آنسوؤں کے تار تو ملا سکتا تھا.... اللہ عزیزہ کی بال بال مغفرت فرمائے۔ میں حضور ہی کے الفاظ میں بارگاہِ رب العزت میں التجا پرداز ہوں کہ

"اللہ عزیزہ موصوفہ کو غریقِ رحمت فرمائے اور جس سیرت کے بیان پر انہوں نے اپنی زندگی صرف کی خدا تعالیٰ اس سیرت کے فیض سے اُن کے بچوں کو صبر عطا کرے ـــ اُن کے خاوند ـــ اُن کے والد اور دوسرے عزیزوں کو خدا صبر عطا فرمائے اور سیرت کا یہ فیض اُن کے خاندان کو خصوصیت سے پہنچے۔

محترم عطاء المجیب صاحب راشد مینیجر الفضل لندن

جب حضور انور نے خطبہ جمعہ میں ان کی بے شمار خوبیوں کا بھرائی ہوئی آواز میں ذکر فرمایا تو دل جذباتِ غم اور جذباتِ رشک سے بھر گیا۔ ایسا خوش انجام کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے عظیم فضل و احسان سے ہی ہوتا ہے۔ آپ کا اور آپ کے محبین کا دل اس لائق، ممتاز، خادمِ دین ہستی کی جدائی سے محزون تو ہے لیکن کیا ہی بابرکت اور مبارک انجام ہے جو انہیں نصیب ہوا مبارک باد کے لائق ہے وہ وجود جس کی محبت اور خدمات کے تذکرہ نے خدا تعالیٰ کے محبوب امام کے دل میں یہ جذبات غم و حزن پیدا فرمائے جو مسلسل دعاؤں میں ڈھلتے چلے جا رہے تھے۔ اس موقع پر دلی جذباتِ تعزیت کے ساتھ اس مبارک انجام پر اس قابلِ فخر بیٹی کے والد گرامی کی خدمت میں مبارک باد بھی عرض کرتا ہوں۔ جذبات کے دو دھارے بیک وقت ساتھ ساتھ جاری ہیں۔ بہت خواہش ہے کہ میں آپ کی موصوفہ قابلِ فخر بیٹی کی زبانی سیرتِ نبوی صلعم کا مبارک تذکرہ سن سکوں۔ اگر ان کی تقاریر ٹیپ ریکارڈر میں محفوظ ہوں تو میری درخواست ہے کہ کسی موقع پر ارسال فرمائیں تا میں بھی وہ آواز سن سکوں جو حضور انور کے ارشادِ گرامی کے بعد تاریخِ احمدیت کا حصّہ بن گئی ہے۔

محترم مرزا محمد صدیق صاحب سیکرٹری مال برمنگھم یو کے

آپ کی صاحبزادی عزیزہ بشریٰ داؤد صاحبہ کی اچانک وفات کا حضور کے خطبہ جمعہ سے علم ہوا۔ اور یہ بھی کہ موصوفہ بڑی نیک اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اور احمدیت کی شیدائی تھیں۔ آپ اور آپ کا خاندان ایک لمبے عرصے سے جماعتی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی بے شمار برکتوں سے نوازے۔

محترمہ ناصرہ لطیف ہارون صاحبہ - U.S.A

واقعی زندگی کی کچھ حقیقت نہیں۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو جاتے وقت اپنے ساتھ اعمال کی دولت لے کر جائے، خوش نصیب ہے وہ انسان جس کی جدائی پر آنکھیں اشکبار اور دل افسردہ ہو جائیں ـــ آج مجھے سمجھ

آگیا ہے کہ کیوں باجی بشریٰ آدھی آدھی رات تک جماعتی کاموں میں مصروف رہتیں ۔ کیوں باجی بشریٰ اپنی ذات، اپنے گھر بار، بچوں سب سے بے نیاز ہو کر ایک ہی لگن سے سرشار دیوانہ وار مصروف تھیں۔ درحقیقت ان کے پاس وقت بہت کم تھا اور وہ جلد جلد بہت سے کام کرنا چاہتی تھیں ۔ اے پیارے اللہ! باجی بشریٰ کی مغفرت فرما کر ان کے درجات بلند فرما اور اے میرے اللہ! تیری اس بندی نے تیرا قرب حاصل کرنے کے لئے بہت محنت کی۔ اس کو قبول فرما اور بے شمار رحمتوں کے سایہ میں اپنے قربِ خاص میں باجی بشریٰ کو جگہ عطا فرما۔

محترمہ منور جہاں صاحبہ و محترم عبداللطیف خان صاحب مالمو سویڈن

... چند دن قبل ایک خاتون کراچی سے بچوں کے لئے کتب لائی تھیں جو بشریٰ داؤد کی تحریر کردہ تھیں یہ کتب اُن کی وفات کے بعد ملیں جس سے صدمہ کئی گنا زیادہ ہو گیا۔ اُن کی قابلیت اور علم دوستی انہیں ہمیشہ زندہ رکھے گی۔

محترم حامد محمود صاحب ۔ لاہور

باجی بشریٰ کم عمری میں ہی جماعت میں بزرگی اور پاکبازی کا ایک مقام حاصل کر چکی تھیں اور ان کی جماعت سے والہانہ محبت اور خدمت جہاں ان کے درجات کی بلندی کا باعث ہو گی وہاں اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبرِ جمیل بھی عطا کریگا۔

محترمہ سعدیہ طاہر بٹ صاحبہ ۔ لاہور

ابھی تک یقین نہیں آتا اتنا متحرک وجود جس کا

دل، زبان اور آنکھیں ایک ساتھ بولتی ہوں وہ یوں خاموش ہو جائے ۔ ؏

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

محترمہ محمودہ بٹ صاحبہ و محترم حبیب اللہ بٹ صاحب لاہور

بہت ہی نیک، خوش خلق، خوش مزاج، ہنس مکھ، ہر ایک سے محبت پیار سے ملنے والی۔ دین کی سچی خادمہ، ہر وقت جماعت کے کاموں کے لئے کمر بستہ رہنے والی پیاری بیٹی کے درجات، اللہ پاک بلند سے بلند تر کرتا چلا جائے ۔ لجنہ کراچی کے لئے نہ پُر ہونے والا خلا ہے۔

محترمہ بشریٰ احلیم صاحبہ ۔ لاہور

وہ ہماری، سب لڑکیوں کی آئیڈیل تھیں بہت کچھ ان سے سیکھا ۔ جب سے احمدیہ ہال جانا شروع کیا۔ ان سے احترام محبت اور عقیدت کا تعلق بڑھتا ہی گیا۔ ان کی تقریر کا انداز دل میں یہ لہر پیدا کرتا تھا کہ بس ہم بھی ایسے ہی بن جائیں ۔

محترم مرزا منصور احمد صاحب ۔ ربوہ

بشریٰ کی وفات پر بہت صدمہ ہوا ۔ اللہ تعالیٰ اُس کی بخشش فرمائے اور آپ پر آپ کے خاندان پر رحمت نازل فرمائے ۔

محترمہ سعیدہ صاحبہ و نصیر احمد صاحب

وہ حورِ جہاں تھیں اب حورِ جنت ہو گئیں۔